اہل سنت کا دینی علمی روحانی ترجمان



ماہنامہ

الغوث

مئی-2026

مدیر اعلیٰ

مفتی سید شہباز اصدق غوثی

ناشر

خانقاہ غوثیہ شہبودیہ اصدقیہ

سہسرام، روہتاس، بہار، الہند

زیر سرپرستی: وارث مسند غوثیہ سید شاہ عارفین اصدق غوثی شہودی چشتی قادری صاحب

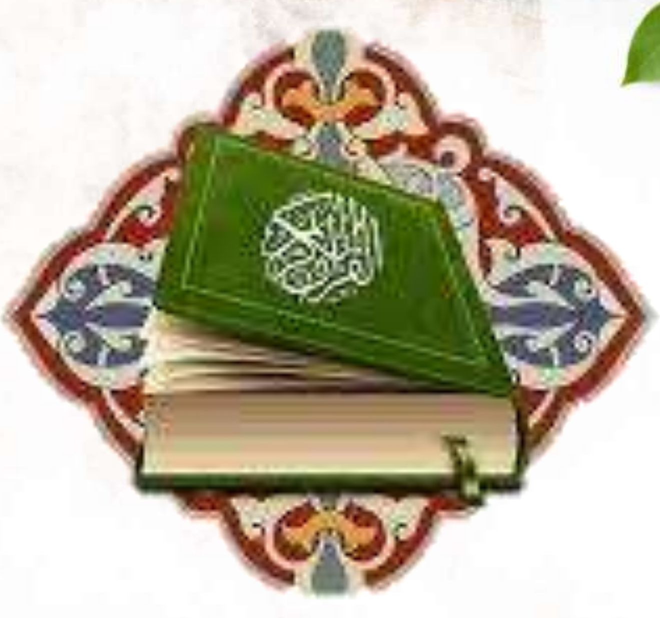
اہل سنت کا دینی علمی روحانی ترجمان

ماہنامہ
الغوث



ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

مئی 2026



مدیر اعلیٰ

مفتی سید شہباز اصدق غوثی

خانقاہ غوثیہ شہودیہ اصدقیہ سہسرام روہتاس بہار الہند

مشمولات

پیغام	تأثرات	از حضرات علماو مشائخ	4
اداریہ	الرسالۃ	شیخ الحدیث علامہ افتخار احمد قادری	5
درس قرآن	رزق حلال قرآن کی روشنی میں	محمد حبیب اللہ بیگ ازہری	7
انوار حدیث	عقیدۂ تقدیر کی توضیح	حضرت فقیہ ملت رحمہ اللہ	9
پیام تصوف	آٹھ نصیحتیں	سیدنا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ	12
حکم شرع	سیاہ لباس کی ممانعت سے متعلق ایک روایت کی حقیقت	مفتی سید شہباز اصدق	15
سیرت	حجۃ الوداع احادیثِ کریمہ کی روشنی میں!	مفتی نازش مدنی مجددی مرادآبادی	19
شخصیات	حضرت امیر خسرو، ایک انوکھے صوفی شاعر	مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی	25
شخصیات	"اسبابِ ستہ اور عموم بلوی کی توضیح و تنقیح" ایک تحقیقی شاہ کار	مولانا محمد امن فرحان، کٹیہار	27
متفرقات	ارتقائے علم اور عصری تقاضے: کیا ہمارا فکری سفر جمود کا شکار ہے؟	نبیل غزالی	30
متفرقات	مشرقِ وسطیٰ کی بدلتی صورتحال	حافظ افتخار احمد قادری	34
متفرقات	امام احمد رضا کے قصیدۂ معراج میں جلوۂ عرفان	مولانا ازہر القادری	37
متفرقات	سوشل میڈیا پر ریلز بناتی لڑکیاں اور پامال ہوتی قدریں	مولانا غیاث الدین احمد عارف مصباحی	44
متفرقات	عید الاضحیٰ: سنتِ ابراہیمی اور ہمارا طرزِ عمل	محمد فداء المصطفیٰ قادری	48
متفرقات	بیٹے کے حق میں ماں کی دعا بیٹا چلا عمرہ کے لیے	جاوید اختر بھارتی	51
گوشۂ خواتین	دین وملت کی سربلندی میں خواتین کا کردار	سید اسامہ ہدوی	55
بچوں کی دنیا	سب سے بڑا کون؟	پرویز اشرفی	58
جہان علم	کتابوں کے شیدائی	محمد معین رضا رضوی	60
جہان علم	نکاح کو مشکل بنانا: معاشرے کی بڑھتی ہوئی غلطی	محمد مصیب الرحمن قادری	63
جہان علم	داڑھی تمام نبیوں کی سنت ہے مومنو!	محمد رمضان رضا قادری	73
جہان علم	تعلیم کی اہمیت	سید محمد طلحہ	78
نعت	فردوس بھی ہے تیری طلبگارِ مدینہ	حضرت علامہ سید مدنی میاں اشرفی	80
تعزیت	آہ حضرت سید شاہ شرف الدین نیر قادری رحمہ اللہ	حضرت سید شاہ عارفین اصدق غوثی	81
دینی معلومات	سوال وجواب۔ کارنر	آپ کے نام	82
تشکر و تحسین	سوال وجواب کارنر کے منتخب قارئین		83

نوٹ: مضمون نگار اپنے قیمتی مضامین ہمیں درج ذیل واٹس ایپ نمبر یا ای میل پر ارسال کریں۔

+27838463037 ssasdaque@gmail.com

تزئین وترتیب

الحمد گرافکس

ماہنامہ

الغوث

جلد: 1، شمارہ: 5۔ مئی 2026
ذوالقعدہ ۱۴۴۷ھ

مدیر اعلیٰ:

مفتی سید شہباز اصدق

+27838463037

معاونین

مولانا تبارک حسین امجدی

مفتی سبحان رضا امجدی

رفقائے ادارہ

حضرت علامہ

سید محمد علیم الدین اصدق مصباحی صاحب

(ساؤتھ افریقہ)

حضرت علامہ افتخار احمد قادر مدنی صاحب

(مدینہ منورہ)

حضرت پروفیسر سید شمیم نجیب گیلانی صاحب

(انڈیا)

ناشر

خانقاہ غوثیہ اصدقیہ، سہسرام، روہتاس بہار

09097467826

ای میل

ssasdaque@gmail.com

نوٹ

اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے ادارہ اور ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں

احباب خانقاہ کے نمبر پر رابطہ کرکے ہر ماہ رسالہ مفت حاصل کریں۔

گزارش

علم دوست حضرات Rs786 کے ذریعہ اعزازی ممبری فیس قبول کرکے اس علمی کام میں ادارہ کی مدد کرسکتے ہیں

آپ کے تاثرات

از: سید سہیل اصدق شاہین غوثی صاحب
سنگرولی، مدھیہ پردیش

از: علامہ فتح احمد عیش بستوی مصباحی صاحب
حافظ ملت اسلامک اسیمبلی۔ ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ الغوث دینی، علمی اور فکری دنیا میں ایک گراں قدر حوالہ بن کر ابھرا ہے۔ اس کے روحِ رواں نوجوان عالم دین نبیرۂ قطب سہسرام مفتی سید شہباز اصدق غوثی شہودی صاحب ہیں جو اپنی علمی بصیرت، ادبی ذوق اور دینی خدمات کے ذریعے اس رسالے کو مسلسل ترقی کی راہوں پر گامزن کیے ہوئے ہیں۔ گزشتہ چند شماروں کے مطالعہ اور زیارت کا موقع ملا۔ الحمدللہ! ماہنامہ ہر اعتبار سے صوری و معنوی خوبیوں کا جامع محسوس ہوا۔ تمام مضامین علمی وقار، فکری پختگی اور اصلاحی روح سے مزین ہیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے معیاری مضامین، صالح افکار اور سنجیدہ علمی اسلوب کے باعث بہت جلد اہل علم و دانش میں نمایاں مقبولیت حاصل کرلے گا اور دینی و فکری میدان میں ایک معتبر حوالہ ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عزیزم مفتی سید شہباز اصدق غوثی کو خیر کثیر سے نوازے کہ وہ اپنے علم، قلم اور شب و روز کی مسلسل جدوجہد کے ذریعے ہمارے خاندان اور سلسلۂ عالیہ غوثیہ اصدقیہ کے نام و کام کو روشن و تابندہ بنانے میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

دعاگو: سید سہیل اصدق شاہین غوثی غفرلہ

☆☆☆☆☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"ماہنامہ الغوث" کے دوچند شماروں کو سرسری طور پر دیکھا، پڑھا، اور بہت کچھ سیکھا، الحمدللہ دینی، ملی، اور ملکی سطح پر لوگوں کو مذہبی، معاشی، اور معاشرتی طور پر مکمل فائدہ پہنچا رہا ہے، جیسا نام ویسا کام۔

میں مفتی سید شہباز اصدق، مدیر اعلیٰ اور دیگر ارکان ادارہ کو مبارکباد دیتا ہوں نیز دعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اسے لمبی زندگی دے، تاکہ تادیر یہ اپنے مضامین سے ہمارے دین اور دنیا کو سنوار سکے۔ آمین یارب العالمین۔

فتح احمد عیش بستوی مصباحی۔ حافظ ملت اسلامک اسیمبلی۔ ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ



الرسالۃ-الغوث

مدیر اعزازی: شیخ الحدیث علامہ افتخار احمد قادری مدنی

اداریہ

الرسالۃ کا معنی و مفہوم یہ ہے کہ ہمارے پاس مبارک رسالات و پیغامات، مقدس تعلیمات اور درخشندہ ھدایات کا ایک عظیم ذخیرہ جلوہ گر ہے اور بلاریب اسلام کی سرمدی ہدایات کا ہر کلمہ گو اور ہر علم و معرفت و ثقافت سے مزین افراد ان کے امین ہیں۔ ان ارباب علم و ثقافت پر فرض ہے کہ الٰہی و سماوی تعلیمات اور منور پیغامات کو حکیمانہ اسلوب و نہج سے دوسروں تک پہونچانے کا عظیم فریضہ انجام دیں۔ ارباب علم و معرفت ہی تھے جن کے توسل سے یہ بے مثل سرمایہ اور مبارک تعلیمات ہم تک پہونچیں۔ ان عظیم اسلاف نے یہ مقدس امانتیں ہم کو ودیعت کیں اور اس راہ میں انہوں نے نہ کوئی کوتاہی کی اور نہ کوئی دقیقہ فروگزاشت کیا اور مجاہدانہ عظمت کے ساتھ انہوں نے اپنی تمام تر جہود و مساعی اس راہ میں صرف کیں اور اس امانت عظمیٰ کو ہم تک پہونچایا۔ یہ وہی امانت ہے جس کو قرآن حکیم بیان فرماتا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ (1)

بے شک ہم نے امانتیں پیش کی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس کے اٹھانے سے خوفزدہ ہوگئے اور انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے اس آیت کی تفسیر میں بڑی عمدہ اور بہت خوبصورت بات فرمائی: " اللہ تعالیٰ نے جب یہ امانت حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کی تو آپ کی نظر اس وقت امانت کے ثقل پر نہ تھی بلکہ امانت پیش کرنے والے پر تھی، اور اس رب کریم کے پیش فرمانے میں جو لذت و سرور تھا، اس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا"۔

حضرت جنید فرماتے ہیں: "یقیناً لطف ربانی نے آدم علیہ السلام کی اس نیاز مندی اور ہمت سے خوش ہو کر فرمایا کہ اے آدم! اٹھانا تیرا کام ہے اور اٹھانے کی توفیق دینا اور تیری حفاظت کرنا میرا کام ہے"۔

صوفیائے کرام کا مسلک بھی ملاحظہ فرمایئے: آیت کا سیاق اس بات کا مقتضی ہے کہ یہاں جو امانت مذکور ہے اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکام شرعیہ ہوں تو انسان کی خصوصیت نہیں بلکہ جن و ملائکہ بھی مکلف ہیں، اس سے ملائکہ کی افضلیت انسان پر لازم آئے گی کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے۔ "يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ" (۲) ملائکہ رات دن تسبیح میں مصروف ہیں اور ذرا نہیں تھکتے اور انسان کی یہ حالت نہیں اس لیے صوفیائے کرام نے امانت کی تفسیر نور العقل اور نار العشق سے کی ہے یعنی بندہ نور عقل استدلال کے ذریعہ معرفت الٰہی حاصل کرتا ہے اور عشق کی آگ حجابات کو جلا کر معرفت الٰہی تک پہونچاتی ہے۔

آیت کا خلاصہ اور روح یہ ہے کہ رب کائنات نے انسان کو اسی امانت کبری کے ساتھ خاکدان گیتی میں بھیجا تا کہ یہ امانت خطۂ ارض کے گوشہ گوشہ، چپہ چپہ پر پھیل جائے اور ہر فرد عالم اپنے مالک حقیقی کی بارگاہ میں سربسجود ہو جائے اور اپنی عبدیت کا حق ادا کرے۔

رسالہ "الغوث" کا مقصد اعلی یہی ہے کہ وہ اپنے رب العزت کی تابعداری کرتے ہوئے رسالۂ حق کو عام سے عام تر کرنے کے لیے بھرپور کردار ادا کر سکے اور رسول کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے فرمان عالی شان " **فليبلغ الشاهد الغائب** " کی اتباع میں اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو صرف کرے اور رضائے الٰہی اور رضائے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سب سے عظیم کرامت و عظمت کو حاصل کرے۔

اللهم اکرم هذه "الرسالة" بتاج الكرامة و اقبلها بقول حسن و اجز مسئوليها الجزاء الاوفى۔
یا سمیع الدعاء . اللهم صل و سلم و بارک علی حبیبک المصطفی الشفیع و علی آله و اصحابه اجمعین۔ آمین

ماخذو مراجع

(۱) سورۃ الاحزاب، آیت ۷۲۔
(۲) سورۃ الانبیاء، آیت ۲۰



درس قرآن

رزق حلال قرآن کی روشنی میں

از: مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حلال روز گار انسانی زندگی کا انتہائی اہم ترین مسئلہ ہے، تقریباً ہر انسان حلال اور مہذب روز گار کے مواقع تلاش کرتا ہے، اور اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اگر بندے کو روز گار کے مناسب مواقع مل گئے فبہا، ورنہ کبھی بد دل ہو جاتا ہے، اور کبھی مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، اور سوچتا ہے کہ شاید میری قسمت میں خوش حال زندگی نہیں ہے، اور مجھے ایسے ہی دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ایک ناکام انسان کی زندگی گزارنا ہے، لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے ہمیں پیدا کیا وہی ہماری روزی روٹی کا ضامن ہے، اور جو اس نے ہمارے لیے مقدر کر دیا وہ ضرور مل کر رہے گا، دیکھیے کہ وہ اپنے بندوں کو کس طرح روزی بہم پہنچاتا ہے، اور انھیں کس کس طرح سے نوازتا ہے۔

یوں تو قرآن کریم کی بے شمار آیات میں اللہ تعالیٰ کی رزاقیت، اور اس کے بندوں کے لیے وافر رزق کا ذکر موجود ہے، تاہم کچھ آیات ایسی ہیں جنھیں پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اور بندہ فکر معاش سے آزاد ہو جاتا ہے، انھیں آیات بینات میں ایک آیت یہ بھی ہے:

وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ دَآبَّۃٍ لَّا تَحۡمِلُ رِزۡقَہَا ٭ۖ اَللّٰہُ یَرۡزُقُہَا وَ اِیَّاکُمۡ ۫ۖ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ۔

کتنے جان دار ہیں جو اپنے ساتھ اپنی روزی لے کر نہیں چلتے، اللہ انھیں بھی روزی دیتا ہے اور تمھیں بھی دے گا، وہی سننے اور جاننے والا ہے۔(1)

سوراخوں میں رہنے والے کیڑے، فضاؤں میں پرواز کرتے پرندے، سمندروں میں تیرتی مچھلیاں، جنگلوں میں بسنے والے درندے، اور عالم غیب کی مخلوق اپنے ساتھ اپنی روزی لے کر نہیں چلتی، پھر بھی ان کا رب ان کی روزی ان کے پاس پہنچا دیتا ہے۔

اے ابن آدم! جو رب سارے جہان کا خالق ہے وہی تیرا بھی خالق ہے، جس طرح وہ سب کو روزی بہم پہنچاتا ہے تجھے بھی پہنچادے گا، لہٰذا روز گار کے معاملے میں اس قدر پریشان نہ ہو۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے براہ راست قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرنے والے امی لقب پیغمبر حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا:

لَوْ أَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُونَ عَلَى اللهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ ، لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا.(2)

یعنی تم اللہ پر کما حقہ توکل کرلو تو اللہ تمھیں بھی ایسے ہی روزی دے گا، جیسے پرندوں کو عطا فرماتا ہے، وہ صبح کو نکلتے ہیں تو خالی پیٹ ہوتے ہیں اور شام کو لوٹتے ہیں تو شکم سیر ہوتے ہیں۔ عقل مند آدمی رزق کی تلاش میں خدا سے غافل نہیں ہوتا، بلکہ رزاق مطلق پر توکل کرتے ہوئے اسی کی عبادت میں مصروف رہتا ہے، اور اس کی عطا پر ہمیشہ خوش رہتا ہے۔

ماخذومراجع

(1)سورۂ عنکبوت، آیت:٦٠

(2)مسند امام حمد بن حنبل، مسند عمر بن خطاب



انوار حدیث

عقیدۂ تقدیر کی توضیح

از: حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب رحمہ اللہ

عَنْ عَبْدِ اللہ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ تعالی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اللہ مَقَادِیْرَ الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِیْنَ أَلْفَ سَنَۃٍ۔ (۱)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس قبل مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا۔(لوحِ محفوظ میں ثبت فرمادیا)۔

عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ تعالی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہ الْقَلَمَ فَقَالَ لَہٗ أُکْتُبْ قَالَ مَا أَکْتُبُ ؟ قَالَ أُکْتُبِ الْقَدَرَ فَکَتَبَ مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ إِلَی الْأَبَدِ۔ (۲)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ سرکارِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کے بعد) سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ قلم ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اس سے فرمایا لکھ۔ قلم نے عرض کیا، کیا لکھوں؟ فرمایا تقدیر۔ تو قلم نے لکھا جو کچھ ہو چکا تھا اور جو اَبد تک ہونے والا تھا۔

مُلّا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ:

فَالْأَوَّلِیَّۃُ إِضَافِیَّۃٌ وَالْأَوَّلُ الْحَقِیْقِیُّ ھُوَالنُّوْرُ الْمُحَمَّدِیّ ''۔ (۳)

یعنی قلم کی اولیت اضافی ہے اور اوّلِ حقیقی نورِ محمدی ہے۔

عَنْ أَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللہ تعالی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ تعالی عَلَیْہِ وَسَلَّم وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی اِحْمَرَّ وَجْھُہٗ حَتّٰی کَأَنَّمَا فُقِیٔ فِیْ وَجْنَتَیْہِ الرُّمَّانُ فَقَالَ أَبِھٰذَا أُمِرْتُمْ أَمْ بِھٰذَا أُرْسِلْتُ إِلَیْکُمْ إِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ ھٰذَا الْأَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ أَنْ لَّا تَنَازَعُوْا فِیْہِ۔ (۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ میں بحث کر رہے تھے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم لے آئے تو شدتِ غضب سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا کہ گویا انار کے دانے آپ کے عارضِ اقدس پر نچوڑ دیئے گئے ہوں۔ پھر فرمایا کیا تم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے ؟ کیا میں تمہاری طرف اسی چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔ تم سے پہلے قومیں ہلاک نہیں ہوئی مگر جب کہ قضا و قدر کے مسئلہ میں انہوں نے مباحثہ کیا۔ میں تمہیں قسم دیتا ہوں اور مکرر قسم دیتا ہوں کہ آئندہ اس مسئلہ میں بحث نہ کرنا۔

انتباہ:

تقدیر حق ہے اس کا انکار کرنے والا گمراہ، بدمذہب، اہلِ سنّت و جماعت سے خارج ہے۔

خدائے تعالیٰ نے ہر بھلائی برائی اپنے علم ازلی کے موافق مقدر فرمادی ہے۔ جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا اپنے علم ازلی سے جان کر لکھ لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جیسا اس نے لکھ دیا ویسا ہم کو کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے ویسا اس نے لکھ دیا۔ زید کے ذمہ برائی لکھی اس لیے کہ زید برائی کرنے والا تھا۔ اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو خدائے تعالیٰ بھلائی لکھتا۔ خلاصہ یہ کہ خدائے تعالیٰ کے علم یا اس کے لکھ دینے نے کسی شخص کو کسی کام کے کرنے پر مجبور نہیں کر دیا۔(۵)

اور جیسا کہ حضرت مُلّا علی قاری عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ البَارِی شرح فقہ اکبر ص:۴۹ میں فرماتے ہیں کہ:

كَتَبَ اللهُ فِيْ حَقِّ كُلِّ شَيْءٍ بِأَنَّهُ سَيَكُوْنُ كَذَا كَذَا وَلَمْ يَكْتُبْ بِأَنَّهُ لِيَكُنْ كَذَا كَذَا ۔ (۶)

قضا کی تین قسمیں۔ قضائے مبرم حقیقی، قضائے معلق محض، قضائے معلق شبیہ بہ مبرم۔

قضائے مبرم حقیقی:

وہ قضا ہے کہ علمِ الٰہی میں بھی کسی چیز پر معلق نہیں۔ اس قضا کی تبدیلی ناممکن ہے اولیاء کی اس قضا تک رسائی نہیں بلکہ انبیائے کرام و رُسل عظام بھی اگر اتفاقاً اس کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہیں تو انہیں اس خیال سے روک دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب روکنے کے لیے بہت کوشش فرمائی یہاں تک کہ اپنے رب سے جھگڑنے لگے جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا: يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ (پارہ ۱۲ ارکوع ۷) یعنی ابراہیم قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگے۔

لیکن چونکہ قوم لوط پر عذاب ہونا قضائے مبرم حقیقی تھا اس لیے حکم ہوا: يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ(۷۶) (پارہ ۱۲ ارکوع ۷ (یعنی اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑو بے شک تیرے رب کا حکم آچکا اور بے شک ان پر عذاب آئے گا۔ پھیرا نہ جائے گا۔

قضائے معلّق محض:

وہ قضا ہے کہ فرشتوں کے صحیفوں میں کسی چیز مثلاً صدقہ یا دُعا وغیرہ پر معلق ہونا ظاہر کر دیا گیا ہو۔ اس قضا تک اکثر اولیائے کرام کی رسائی ہوتی ہے ان کی دعا اور توجہ سے یہ قضا ٹل جاتی ہے۔

قضائے معلق شبیہ بہ مبرم:

وہ قضا ہے کہ علم الٰہی میں وہ کسی چیز پر معلق ہے لیکن فرشتوں کے صحیفوں میں اس کا معلق ہونا مذکور نہیں۔ اس قضا تک خاص اکابر کی رسائی ہوتی ہے۔ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ اسی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں قضائے مبرم کو رد کر دیتا ہوں اور اسی قضا کے بارے میں حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ '' :إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا أُبْرِمَ ''یعنی بے شک دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

قضا و قدر کے مسائل عام لوگ نہیں سمجھ سکتے اس میں زیادہ غور و فکر کرنا دین و ایمان کے تباہ ہونے کا سبب ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُما جیسے جلیل القدر صحابہ بھی اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے تو پھر ہم لوگ کس گنتی میں ہیں۔ اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پتھر اور دیگر جمادات کے مثل بے حس و حرکت نہیں پیدا کیا بلکہ اس کو ایک قسم کا اختیار دیا ہے کہ ایک کام چاہے کرے نہ کرے اور اس کے ساتھ عقل بھی دی ہے کہ بھلے بُرے نفع نقصان کو پہچان سکے اور ہر قسم کے سامان اور اسباب مہیا کر دیئے کہ جب آدمی کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسی قسم کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں اور اسی وجہ سے اس پر مواخذہ ہے اپنے کو بالکل مجبور یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہیں۔ (۷)

ماخذ و مراجع

۱: صحیح مسلم''، کتاب القدر، باب حجاج آدم و موسی علیہما السلام، الحدیث :۱۶۔

۲ : سنن الترمذی''، کتاب کتاب القدر، الحدیث :۲۱۶۲

۳: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح''، کتاب الإیمان، الحدیث :۹۴، ج۱، ص۲۸۹

۴: سنن ترمذی''، کتاب القدر، باب ماجاء من التشدید إلخ، الحدیث :۲۱۴۰،

۵: بہارِ شریعت''، ج۱، ص811 .

۶: شرح الفقہ الأکبر''، باب القضاء والقدر إلخ، ص۴۱ .

۷: بہار شریعت''، ج۱، ص۱۸.



از: سیدنا امام غزالی رضی اللہ عنہ

درس تصوف

آٹھ نصیحتیں

اے لختِ جگر! میں تجھے آٹھ نصیحتیں کرتا ہوں انہیں قبول کرلے، کہیں ایسا نہ ہو کہ میدانِ محشر میں تیرا علم تیرا دشمن بن جائے۔ان آٹھ نصیحتوں میں سے چار ایسی ہیں، جنھیں اپنانا لازمی ہے اور چار ایسی ہیں، جن کو ترک کرنا ضروری ہے۔ جن چار امور سے دوری لازم ہے وہ یہ ہیں۔

پہلی نصیحت: جہاں تک ہو سکے کسی سے کسی مسئلہ میں مناظرہ (اور بحث و مباحثہ) نہ کرنا۔ کیوں کہ اس میں بہت ساری آفتیں و مصیبتیں ہیں۔ اور فائدے سے زیادہ نقصان (اس میں پوشیدہ) ہے۔ اس بحث و مباحثہ سے ریا، تکبّر، حسد، کینہ، بغض و عداوت، دشمنی اور فخر جیسی مذموم اور بُری عادات پیدا ہوتی ہیں۔ اگر تیرے اور کسی دوسرے شخص یا گروہ کے درمیان کوئی مسئلہ درپیش ہو اور تیری نیّت اور خواہش یہ ہو کہ حق کو ظاہر کر دیا جائے، کہ خاموش رہنے کی وجہ سے کہیں حق ضائع نہ ہو، تو اب بحث و مبُاحثہ کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن تیرے اس ارادے اور نیّت کے درست ہونے کی دو علامات ہیں۔

(۱) تیرا مقصد صرف اور صرف یہ ہو کہ حق ظاہر ہو، خواہ وہ تیری زبان سے ظاہر ہو یا دوسرے کی زبان سے، اس بارے میں تجھے تشویش نہ ہو۔

(۲) مجمعِ کثیر کے بجائے تنہائی میں اس مسئلے پر بحث کو تُو بہتر سمجھے۔

(اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو یقین کر لے کہ شیطان لعین اس بظاہر نیک کام کی آڑ میں تجھے کافی سارے خطرات و مشکلات میں پھنسانا چاہتا ہے)

دوسری نصیحت: جن چار باتوں سے دور رہنا ضروری ہے، ان میں سے دوسری بات یہ ہے کہ (بے عملی کی صورت میں) وعظ ونصیحت کرنے سے اجتناب کر۔ کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہیں۔ مگر جب تیرا اپنے بیان و تقریر پر عمل ہو، تو اب لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا درست ہے۔ (کہ اس صورت میں تیری زبان میں تاثیر پیدا ہوگی) حضرت سیّدُنا عیسٰی علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے پروردگارِ عالم عزّ وجلّ نے جو ارشاد فرمایا، اس میں خوب غور وفکر کر تاکہ نصیحت حاصل کر سکے۔

يَاابْنَ مَرْيَمَ عِظْ نَفْسَكَ فَاِنِ اتَّعَظَتْ فَعِظِ النَّاسَ وَاِلَّا فَاسْتَحِ مِنِّي

اے ابن مریم! اپنے نفس کو نصیحت کر، اگر اس نے نصیحت قبول کر لی، تو پھر لوگوں کو نصیحت کرنا، ورنہ مجھ سے حیا کرو۔

تیسری نصیحت: جن کاموں سے تجھے دور رہنا ہے، ان میں سے تیسرا امر یہ ہے کہ تو اُمَراء وسلاطین سے میل جول نہ رکھے بلکہ ان کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ کیوں کہ ان کی طرف دیکھنا، ان کے پاس بیٹھنا، ان کی ہم نشینی اختیار کرنا بہت بڑی آفت ومصیبت ہے۔ اور اگر کبھی ان کے ساتھ مل بیٹھنے کا اتفاق ہو، تو ہرگز ہرگز ان کی تعریف وتوصیف نہ کرنا۔ کیوں کہ جب کسی ظالم وفاسق کی تعریف کی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ اور جو ظالموں اور فاسقوں کی درازی عمر کی دعا کرتا ہے، گویا اس بات کو پسند کرتا ہے کہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو۔

چوتھی نصیحت: منع کردہ اُمور میں سے آخری یہ ہے کہ اُمَراء سے کسی قسم کے تحائف ونذرانے قبول نہ کرے۔ اگرچہ یہ بات تیرے علم میں ہو کہ یہ حلال کی کمائی سے پیش کیے گئے ہیں۔ اس لیے کہ عطیّات و تحائف میں سے کسی چیز کی طرف بھی دل کا مائل اور راغب ہونا اور اس کی لالچ وطمع رکھنا دین میں بگاڑ پیدا کرتا ہے۔ (اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے) کہ ان کے لیے دل میں نرم گوشہ، ظلم میں تعاون اور طرفداری جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ دین میں بگاڑ وفساد ہی تو ہے۔ اس کا کم سے کم نقصان یہ ہے کہ جب تُو ان کے تحائف ونذرانے قبول کرے گا اور ان کے منصب سے فائدہ اُٹھائے گا تو لازماً ان سے مُحبّت بھی کرنے لگے گا۔ اور آدمی جس سے مُحبّت کرتا ہے، اس کی درازی عمر اور سلامتی وبقا بھی چاہنے لگتا ہے۔ اور ظالم کی سلامتی وبقا کو پسند کرنا درحقیقت مخلوقِ خدا عزوجل پر ظلم وستم کرنا ہے۔ اور یہ دنیا کو ویران وبرباد کرنے کے مترادف ہے۔ تو اس سے بڑھ کر دنیا و آخرت کے لیے کون سی چیز زیادہ نقصان دہ ہو سکتی ہے؟ خبردار! شیطان لعین ومردود کے فریب میں مت آنا۔ اور نہ ہی ان لوگوں کے، جو کہتے ہیں کہ ان (اُمَراء سے) درہم ودینار لے کر فقراء ومساکین میں تقسیم کرنا بہتر ہے کیونکہ یہ اپنا مال

نافرمانی اور گناہوں کے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ لہٰذا اسی مال کو غریب ونادار مسلمانوں پر خرچ کرنا اس سے کہیں بہتر ہے۔ حالانکہ شیطان ملعون اس وار سے نہ جانے کتنے لوگوں کو تباہ وبرباد کر چکا ہے۔

وہ چار چیزیں جن پر سختی سے عمل پیرا ہونا ہے، یہ ہیں۔

پانچویں نصیحت: ہر وہ معاملہ جو تیرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو، وہ اس انداز و ادا سے ہو، کہ اگر تیرا غلام وہ کام کرتا، تو تُو اس سے خوش ہو جاتا، اس پر ناراضگی اور غصّے کا اظہار نہیں کرتا۔ اور جب تُو اپنے حکم کی خلاف ورزی پر، اپنے مجازی غلام سے راضی نہیں ہوتا تو خدائے احکم الحاکمین عزّوجل کی حکم عدولی ونافرمانی سے اس کی رضا وخوشنودگی کیسے حاصل ہو گی؟ جبکہ وہ تیرا مالکِ حقیقی ہے۔

چھٹی نصیحت: لوگوں سے تیرا سُلوک اس طرح ہو جیسا کہ تُو چاہتا کہ وہ تیرے ساتھ برتاؤ کریں۔ کیونکہ بندے کا ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے، جب وہ تمام لوگوں کے لیے وہی کچھ پسند کرے، جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔

ساتویں نصیحت: تجھے ایسے علم کا مطالعہ کرنا چاہیے جو تزکیہ نفس اور دل کی اصلاح کا باعث ہو۔ جیسے اگر تجھے پتہ چل جائے کہ میری عمر کا صرف ایک ہفتہ باقی ہے۔ تو یقیناً تُو ان اَیّام کو فقہ و مُناظرہ، اُصول وکلام اور دیگر عُلُوم کے حُصول پر ہر گز صرف نہیں کرے گا۔ کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ اب مذکورہ عُلُوم تجھے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ بلکہ تُو اپنے دل کی نگہداشت ونگرانی میں مشغول ہو جائے گا۔ ہر لمحہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ اس میں انسان کی موت واقع ہو جائے۔

آٹھویں نصیحت: دنیاوی ساز وسامان میں سے اتنا مال وزر اپنے پاس جمع رکھ، جو تیرے لیے ایک سال کے اخراجات وضروریات کے لیے کافی ہو۔ جیسا کہ محبوبِ ربّ العزت، قاسمِ نعمت، مالکِ جنّت، عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم اپنی بعض ازواجِ مطہّرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے لیے ایسا ہی کرتے۔ اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم یہ دعا فرماتے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ آلِ مُحَمَّدٍ کَفَافاً

اے اللہ! (عزوجل) آلِ محمد (رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم) کی روزی اتنی رکھ جتنی انہیں ضرورت ہو۔ (صحیح مسلم: کتاب الزھد والرقائق ص۱۵۸۸ رقم الحدیث ۲۹۶۹ دار ابن حزم بیروت)

نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے لیے ایسا انتظام نہیں فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ ان میں سے جو یہ ضرورت محسوس فرماتیں صرف ان کے لیے یہ اہتمام ہوتا۔ اور جو یقین کے اعلیٰ درجے پر فائز تھیں، ان کے لئے ایک آدھ دن سے زیادہ کا انتظام کبھی نہ فرماتے۔ (ایھا الولد، بیٹے کو نصیحت)

دینی مسائل

سیاہ لباس کی ممانعت سے متعلق ایک روایت کی حقیقت



مفتی سید شہباز اصدق غوثی

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ایک روایت کسی نے بھیجی ہے جس میں یہ ہے کہ سیاہ لباس نہ پہنو، کیونکہ یہ فرعون کا لباس ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ حوالہ بتادیں اور کیا سیاہ کپڑا پہننے کی شرعاً اجازت نہیں ہے؟

غلام محیی الدین (ملاوی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَهَّابِ

جس روایت کا ذکر آپ نے سوال میں کیا ہے وہ ان الفاظ کے ساتھ شیعی کتب میں ہے: "و قال امیر المؤمنین فیما علم اصحابه: ولا تلبسوا السواد فانه لباس فرعون" (من لا یحضره الفقیه، ص 177) تاہم یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود مجھے اہل سنت کی کتب حدیث میں نہیں مل اور نہ ہی سیاہ لباس پہننے کی ممانعت سے متعلق اس جیسی کوئی دوسری روایت کتب حدیث میں موجود ہے، جبکہ دیگر متعدد روایات سے سیاہ لباس پہننے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس لیے سوال میں مذکور روایت اہل سنت کے یہاں معتبر نہیں، اب ذیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاہ عمامہ پہننے اور سیاہ چادر مبارک اوڑھنے کا ثبوت کتب حدیث کی روشنی میں ملاحظہ کیجیے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ»(1)

جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ سیاہ عمامہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے زیب فرق ہوا۔

جامع الترمذی کی درج ذیل روایت ملاحظہ کیجیے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعَرٍ أَسْوَدَ»: «هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ صَحِيحٌ»(2)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کالے بالوں کا بنا ہوا کمبل اُوڑھ کر باہر تشریف لائے، جس پر پالان کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

سنن أبي داود کی درج ذیل روایت بھی ملاحظہ کیجیے:

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: " صَنَعْتُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَةً سَوْدَاءَ، فَلَبِسَهَا، فَلَمَّا عَرِقَ فِيهَا وَجَدَ رِيحَ الصُّوفِ، فَقَذَفَهَا قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَكَانَ تُعْجِبُهُ الرِّيحُ الطَّيِّبَةُ "(3)

ام المؤمنین عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک سیاہ چادر رنگی تو آپ نے اس کو پہنا پھر جب اس میں پسینہ لگا اور اون کی بو محسوس کی تو اس کو اتار دیا، آپ کو خوشبو پسند تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ رضي الله عنه قَالَ: اسْتَسْقَى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهُ سَوْدَاءُ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَأَحْمَدُ۔(4)

حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز استسقاء پڑھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سیاہ چادر مبارک زیب تن کئے ہوئے تھے۔"

عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم لَبِسَ بُرْدَةً سُوْدَاءَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: مَا أَحْسَنَهَا عَلَيْكَ يَا رَسُوْلِ اللهَ، يَشُوْبُ بَيَاضُكَ سَوَادَهَا، وَيَشُوْبُ سَوَادُهَا بَيَاضَكَ، فَبَانَ مِنْهَا رِيْحٌ فَأَلْقَاهَا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الرِّيْحُ الطِّيِّبَةُ۔(5)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیاہ چادر زیبِ تن فرمائی تو حضرت عائشہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ آپ کے جسمِ اطہر پر کیا خوب سج رہی ہے۔ آپ کی رنگت مبارک کی سفیدی اِس کی سیاہی میں اور اِس کی سیاہی آپ کی سفیدی میں گھل مل رہی ہے پھر اُس میں کوئی (ناگوار) بو ظاہر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اُتار دیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پاکیزہ خوشبو پسند تھی۔"

درج بالا روایت سے معلوم ہوا کہ سیاہ چادر مبارک حضور اکرم ﷺ کے جسم اقدس کی زینت بنی۔

ان احادیث کے پیش نظر حضرات فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا کہ کالا کپڑا پہننا فی نفسہ جائز بلکہ مستحب ہے چنانچہ فقہ کی معروف کتاب الدر المختار میں ہے

"وندب لبس السواد(قوله: وندب لبس السواد)؛ لأن محمداً ذكر في السير الكبير في باب الغنائم حديثاً يدل على أن لبس السواد مس تحب." (6)

مصنف کا قول سیاہ لباس پہننا مستحب ہے کینوکہ امام محمد نے سیر کبیر کے باب الغنائم میں ایک ایسی حدیث ذکر کی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سیاہ لباس پہننا مستحب ہے۔

نیز علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: و یستحب الابیض و کذا الاسود لانہ شعار بنی العباس۔(7)

ترجمہ: سفید کپڑے پہننا مستحب ہے اور اسی طرح کالے کپڑے پہننا بھی مستحب ہے کہ یہ بنو عباس کا شعار ہے

بہار شریعت میں ہے: سفید کپڑے بہتر ہیں کہ حدیث میں اس کی تعریف آئی ہے اور سیاہ کپڑے بھی بہتر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ معظمہ میں تشریف لائے تو سر اقدس پر سیاہ عمامہ تھا۔(8)

یہاں اس امر کا خیال رہے کہ فقہا کی صراحت کے مطابق سیاہ کپڑے سوگ کے طور پر پہننا ناجائز و گناہ ہے۔ عورت کو اجازت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات کے غم میں صرف تین دن تک پہن سکتی ہے اور تین دن کے بعد اس کے لئے بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''لایجوز صبغ الثیاب اسود تأسفا علی المیت ''ترجمہ: میت کے سوگ کے طور پر سیاہ رنگ کے کپڑے پہننا جائز نہیں۔(9)

علامہ عالم بن علاء الانصاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وسئل عنھا علی بن احمد فقال: لاتعذر وھی آثمۃ فی ذلک الا الزوجۃ فی حق زوجھا فانھا تعذر الی ثلاثۃ ایام''(10)

ترجمہ: اور علامہ علی بن احمد علیہ الرحمۃ سے یہی سوال پوچھا گیا(یعنی عورت کا میت کے غم میں سیاہ کپڑے پہننا)، تو انہوں نے فرمایا کہ اس عورت کے لئے (سیاہ کپڑے پہننا) جائز نہیں اور اگر پہنے گی تو گنہگار ہوگی، مگر یہ کہ بیوی کہ جب اس کا شوہر فوت ہو جائے تو صرف تین دن تک پہن سکتی ہے۔

رد المحتار میں ہے:

"وفي التتارخانية: ولاتعذر في لبس السواد، وهي آثمة إلا الزوجة في حق زوجها فتعذر إلى ثلاثة أيام. قال في البحر: وظاهره منعها من السواد تأسفاً على موت زوجها فوق الثلاثة" (11)

تاتاری خانیہ میں ہے کہ عورت کو (سوگ کے طور پر) سیاہ لباس پہننے میں معذور نہیں سمجھا جائے گا بلکہ وہ گناہ گار ہوگی سوائے بیوی کے اپنے شوہر کے حق میں کہ اسے تین دن تک عذر حاصل رہے گا(یعنی بیوی شوہر کی وفات کے سوگ میں تین دن کالا

کپڑا پہن سکتی ہے) اور البحر الرائق میں فرمایا: اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ شوہر کی وفات پر غم کے اظہار کے طور پر تین دن سے زیادہ سیاہ لباس پہننا منع ہے۔

بہار شریعت میں ہے: ''اور سیاہ کپڑے غم ظاہر کرنے کیلئے نہ ہوں تو مطلقا جائز ہیں۔''(12)
اسی طرح محرم الحرام میں اہل تشیع سوگ منانے کے لیے کالے کپڑے اہتمام سے پہنتے ہیں، اس لیے محرم کے مہینے میں کالے کپڑے نہیں پہننے چاہیے کہ اس سے شیعوں کی مشابہت لازم آتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ». (13)
ترجمہ: جو شخص کسی قوم کا شعار اپنائے وہ انہی میں سے ہے۔
اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز رقم طراز ہیں: محرم الحرام میں (خصوصاً کیم تا دس محرم الحرام) میں کالے کپڑے نہ پہنے جائیں کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، لہذا مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے"۔(14)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَاللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ
وَرَسُوْلُه اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

ماخذ و مراجع

(1) صحیح مسلم، الحدیث 1358
(2) سنن الترمذی، الحدیث 2813
(3) سنن ابی داؤد، الحدیث 4047
(4) أبو داود في السنن، كتاب صلاة الاستسقاء، باب في أي وقت يحول رداءه إذا استسقى، 1/302، الرقم: 1163
(5) ابن حبان في الصحيح، 14/305، الرقم: 6395
(6) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین۔ ج10۔ ص486
(7) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین۔ ج9۔ ص505
(8) بہار شریعت، ج3، ص409
(9) فتاوی عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع، ج5، ص333، مطبوعہ کوئٹہ
(10) فتاوی تاتار خانیہ، ج4 ص55
(11) الدر المختار و حاشیۃ ابن عابدین۔ ج3۔ ص533
(12) بہار شریعت، ج2 ص244
(13) سنن ابی داؤد، الحدیث 4031
(14) احکام شریعت



حجۃ الوداع احادیثِ کریمہ کی روشنی میں!

سیرت

از: مفتی نازش مدنی مجددی مرادآبادی

اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ”حج“ ہے، جو نہ صرف عبادت بلکہ اجتماعیت، مساوات اور روحانی تزکیے کا ایک عظیم مظہر ہے۔ حج انسان کو اللہ کے گھر کی طرف کھینچتا ہے، جہاں دنیا کے کونے کونے سے آنے والے مسلمان ایک ہی لباس، ایک ہی شعار اور ایک ہی مقصد کے ساتھ جمع ہوتے ہیں۔ یہ اجتماع اس بات کی علامت ہے کہ اسلام نے نسل، زبان، رنگ اور علاقے کی تمام تفریقیں مٹا کر انسان کو بندگیِ رب اور اخوتِ انسانی کی لڑی میں پرو دیا ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں حج کی ادائیگی کا ایک ہی موقع آیا، جسے تاریخ میں ”حجۃ الوداع“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ عظیم موقع سن ۱۰ ہجری کو میسر آیا، جب آپ ﷺ نے اپنے ہزاروں جانثار صحابہ کرام کے ساتھ یہ رکنِ عظیم ادا فرمایا۔ تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ اس حج میں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام شریک تھے۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جس میں ایمان، محبت اور اطاعت کا سمندر موجزن تھا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ محض ایک خطاب نہ تھا، بلکہ انسانیت کی تاریخ کا سب سے جامع اور ہمہ گیر منشور تھا۔ یہ خطبہ عدل، مساوات، بھائی چارے، حقوق و فرائض، اور اللہ سے تعلق کی اصل روح کو واضح کرتا ہے۔ اس میں ہر اس پہلو کو بیان کیا گیا جو انسان کی فلاح، معاشرے کی اصلاح اور دنیا و آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ خطبہ انسانی حقوق کا وہ عالمی منشور ہے جس کی مثال آج تک کوئی نہ دے سکا۔

حجۃ الوداع کا یہ خطبہ دراصل نبوتِ محمدی ﷺ کے مشن کا خلاصہ اور دین کی تکمیل کا اعلان تھا۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کو آخری وصیتوں کے طور پر وہ اصول عطا فرمائے جن پر عمل کر کے دنیا میں عدل و انصاف اور امن و سکون قائم ہو سکتا ہے، اور آخرت میں رضائے الٰہی حاصل کی جا سکتی ہے۔

ذیل میں حجۃ الوداع کے موقع پر پیش کیے گئے اس انقلاب آفریں خطبہ کو احادیثِ طیبہ کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے:

(1) جان و مال کی حرمت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: ''قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ، وَأَعْرَاضَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا، فِي شَهْرِكُمْ هَذَا، فِي بَلَدِكُمْ هَذَا'' (1)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے عرفات کے میدان میں فرمایا: ''تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے آج کا دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سب سے پہلے انسانی جان، مال اور عزت کی حفاظت کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا۔ آپ ﷺ نے یہ اعلان اُس عظیم اجتماع میں کیا جہاں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام موجود تھے، اور مثال کے طور پر یومِ عرفہ، ذی الحجہ کا مہینہ اور مکہ مکرمہ کی حرمت کو بیان کر کے سمجھایا کہ جس طرح یہ دن، یہ مہینہ اور یہ شہر سب کے نزدیک محترم و مقدس ہیں، اسی طرح ایک مسلمان کی جان، اس کا مال اور اس کی عزت بھی محترم اور مقدس ہے۔ یہ تعلیم ہمیں ایک ایسا سماجی اصول دیتی ہے جو اگر سچائی کے ساتھ اپنایا جائے تو معاشرے سے ظلم، خونریزی، چوری، دھوکہ دہی، بے ایمانی اور کردار کشی سب ختم ہو جائیں۔

سبق اور دعوتِ عمل:

۱/ جان کی حرمت: کسی انسان کی جان لینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے۔ ہمیں اپنے غصے، دشمنی اور انتقام کی خواہش کو قابو میں رکھ کر صبر اور معافی کو اپنانا ہو گا۔

۲/ مال کی حرمت: دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے کھانا، رشوت لینا دینا، دھوکہ اور فراڈ کرنا دراصل اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ ہمیں اپنا رزق صرف حلال ذرائع سے کمانا چاہیے۔

۳/ عزت کی حرمت: غیبت، بہتان تراشی، سوشل میڈیا پر جھوٹی خبریں اور دوسروں کو بدنام کرنے والے الفاظ اس حکم کی سراسر خلاف ورزی ہیں۔ ہمیں اپنی زبان اور قلم کو دوسروں کی عزت کے تحفظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے، نہ کہ ان کی رسوائی کے لیے۔ یہ حدیث ہمیں یاد دلاتی ہے کہ مسلمان صرف نماز، روزہ اور حج کا نام نہیں، بلکہ ایک ایسا طرزِ زندگی ہے جس میں دوسروں کی جان، مال اور عزت کا مکمل احترام کیا جائے۔ اگر ہر مسلمان آج یہ اصول اپنا لے تو ہمارے معاشرے میں امن، محبت اور بھائی چارے کی وہ خوشبو پھیل جائے جس کی ضرورت ہر دل محسوس کر رہا ہے۔

(۲) جاہلیت کے رسم و رواج کا خاتمہ

قَالَ ﷺ: ''أَلَا وَإِنَّ كُلَّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمِيَّ مَوْضُوعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضَعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا رِبَا الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ''(2)

ترجمہ: آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: ''یاد رکھو! جاہلیت کی تمام عادات میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ جاہلیت کا ہر خون اور ہر سود ختم کر دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا خون جسے میں مٹاتا ہوں وہ ربیعہ بن حارث کا ہے، اور سب سے پہلا سود جسے ختم کرتا ہوں وہ میرے چچا عباس بن عبد المطلب کا ہے۔''

مذکورہ حدیث پاک بھی حجۃ الوداع کے خطبہ کا اہم حصہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ جاہلیت کی ہر بات، ہر رسم، ہر ظلم اور ہر باطل نظام ہمیشہ کے لیے ختم کر دیے گئے ہیں۔ یہ اعلان دراصل اس بات کی سند ہے کہ اسلام ظلم، ناانصافی، سود خوری، خونریزی اور نسل پرستی کے تمام دروازے بند کرتا ہے اور عدل، اخوت اور تقویٰ پر مبنی ایک نئے نظامِ زندگی کی بنیاد رکھتا ہے۔

آپ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کے معاملات کا ذکر کر کے عملی مثال قائم کی، تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ قانون کمزور پر لاگو ہوتا ہے اور طاقتور اس سے آزاد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلا خون میں اپنے خاندان کا معاف کرتا ہوں، اور سب سے پہلا سود اپنے چچا عباس کا ختم کرتا ہوں۔'' یہ انصاف اور مساوات کی ایسی روشن مثال ہے جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔

سبق اور دعوتِ عمل:

۱۔ باطل رسموں سے بیزاری: آج ہمیں بھی اپنے گھروں اور معاشرے میں موجود جاہلی رسومات کو مٹانا ہوگا؛ چاہے وہ فضول رسم و رواج ہوں، فضول خرچیاں ہوں یا شادی بیاہ کے باطل طریقے۔

۲۔ سود سے بچنا: سود خوری اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔ ہمیں اپنے کاروبار، لین دین اور بینکاری کے نظام کو پاکیزہ اور حلال بنانا چاہیے۔

۳۔ عدل و مساوات: خاندان یا قبیلے کی بنیاد پر رعایت دینا دراصل جاہلیت کی نشانی ہے۔ ہمیں انصاف صرف اللہ کی رضا کے لیے کرنا چاہیے، چاہے وہ اپنے حق میں ہو یا خلاف۔

یہ حدیث ہمیں جھنجھوڑتی ہے کہ اسلام نے صرف باتوں میں نہیں بلکہ عملی اقدامات کے ذریعے ہر قسم کی جاہلیت کو مٹادیا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم بھی اپنے معاشرے میں ظلم، سود اور باطل رسموں کو ختم کریں اور عہد کریں کہ اسلام کی اصل روح کو زندہ کریں گے۔ جب ہر مسلمان یہ عزم کرے گا تو ہمارا معاشرہ حقیقی عدل، امن اور سکون کا گہوارہ بن جائے گا۔

(۳)عورتوں کے حقوق

قَالَ ﷺ: ''اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ، لَيْسَ تَمْلِكُونَ مِنْهُنَّ شَيْئًا غَيْرَ ذَلِكَ، إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ، فَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ، فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا، أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقٌّ''(3)

ترجمہ: آپ ﷺ نے عورتوں کے بارے میں خصوصی تاکید فرمائی: عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، تم نے انہیں اللہ کی امانت کے طور پر لیا ہے اور اللہ کے کلمے کے ذریعہ اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو، اور ان کا تم پر حق ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کی ضروریات پوری کرو۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی امت کو عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی پاسداری کا سبق دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتیں اللہ کی امانت ہیں اور تم نے انہیں اللہ کے کلمے کے ذریعہ اپنے لیے حلال کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف شادی کے بندھن میں نہ آنا بلکہ ان کے تحفظ، عزت اور بھلائی کی ذمہ داری تمہارے اوپر ہے۔

سبق اور دعوتِ عمل:

۱۔ عزت و وقار: عورتیں کسی کی ملکیت یا غلام نہیں، بلکہ اللہ کی امانت ہیں۔ ہمیں ان کی عزت و وقار کے تحفظ کو اپنا فرض سمجھنا چاہیے۔

۲۔ اخلاقی ذمہ داری: شوہر اور معاشرہ عورت کے حقوق پر حق بجانب رہیں۔ ان کے ساتھ نرمی، محبت اور شفقت سے پیش آئیں، اور ان کی ضروریات اور احساسات کا خیال رکھیں۔

۳۔ حدود و ضوابط: اگر کوئی حد پھلانگتا ہے تو اسلام نے واضح اصول دیے، مگر ہمیشہ تشدد سے بچنے اور عدل و حکمت کے دائرے میں رہنے کی ہدایت دی۔ یہ انسانی زندگی میں انصاف اور محبت کا توازن قائم رکھتا ہے۔

یہ حدیث ہمیں یاد دلاتی ہے کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کو اپنائے۔ اپنے گھروں میں، معاشرے میں، اور روزمرہ کے تعلقات میں خواتین کے حقوق کا تحفظ کریں۔ چھوٹی چھوٹی حرکتیں، جیسے شفقت،

احترام، اور عزت، ہمیں اسلام کی اصل روح کے قریب لے جاتی ہیں۔ اگر ہر مسلمان یہ اصول اپنائے تو ہمارے معاشرے میں محبت، اعتماد اور سکون کی فضا قائم ہو گی۔

(۴) اخوت و مساوات کا اصول

قَالَ ﷺ: ''يَا أَيُّهَا النَّاسُ، أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ، وَلَا لِأَعْجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى''(4)

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر، اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے دن پوری امت کو یہ سبق دیا کہ انسان کی اصل قدر اور فضیلت اس کی نسل، قوم یا رنگ و نسل سے نہیں بلکہ تقویٰ اور اللہ کا خوف رکھنے سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی عربی کسی عجمی پر، کوئی عجمی عربی پر، کوئی گورا کسی کالے پر، اور کوئی کالا کسی گورے پر برتر نہیں، بلکہ صرف ''تقویٰ'' ہی برتری کی بنیاد ہے۔

سبق اور دعوتِ عمل:

۱۔ نسل و قوم کی بنیاد پر تفریق ختم کریں: ہمیں کسی کے ساتھ اس کی نسل، رنگ، قوم یا زبان کی بنیاد پر تعصب یا غرور نہیں رکھنا چاہیے۔ اسلام ہمیں سب انسانوں کے درمیان مساوات سکھاتا ہے۔

۲۔ تقویٰ کی اصل برتری: اصل فضیلت اعمال، نیک نیتی اور اللہ کے سامنے عاجزی میں ہے۔ معاشرے میں کسی کو ذاتی یا نسلی بنیاد پر کم تر نہ جانیں، بلکہ سب کے ساتھ انصاف اور محبت کریں۔

اس حدیث سے ہمیں درس ملتا ہے کہ ہم اپنے معاشرے اور اپنے دلوں سے تعصب، نسل پرستی اور ذات پات کے نظریات نکالیں۔ ہر انسان کو ''محبت، احترام اور انصاف'' کے ساتھ دیکھیں۔ اگر ہم یہ اصول اپنائیں تو نہ صرف ہمارا معاشرہ بلکہ ہماری زندگی بھی امن، سکون اور برکت سے بھر جائے گی۔

(۵) رسالت کی ادائیگی کی شہادت

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي خُطْبَتِهِ يَوْمَ عَرَفَةَ: ''أَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟'' قَالُوا: نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ، وَأَدَّيْتَ، وَنَصَحْتَ، فَجَعَلَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَيَنْكُتُهَا إِلَى النَّاسِ ''اللَّهُمَّ اشْهَدْ، اللَّهُمَّ اشْهَدْ''(5)

ترجمہ: آپ ﷺ نے امت سے پوچھا: لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا کہو گے؟ صحابہ نے عرض کیا: "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کر دی اور خیر خواہی کی۔" رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا: "اَللّٰھُمَّ اشْھَد، اَللّٰھُمَّ اشْھَد"

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت سے فرمایا: "لوگو! تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا کہو گے؟" صحابہ کرام نے بلا تردد جواب دیا کہ آپ نے پیغام پہنچا دیا، امانت ادا کی اور خیر خواہی کی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور فرمایا: "اے اللہ! گواہ رہ، اے اللہ! گواہ رہ۔"

یہ لمحہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ رسالت صرف لفظوں یا دعوے سے نہیں بلکہ عمل، پیغام کی ادائیگی، خیر خواہی اور امانت داری سے مکمل ہوتی ہے۔

سبق اور دعوتِ عمل:

۱/ پیغام کی ادائیگی: ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اسلام کا صحیح پیغام دوسروں تک پہنچائے، نہ کہ اسے چھپائے یا مسخ کرے۔

۲/ امانت داری: دین، اخلاق، علم اور معاشرتی ذمہ داری سب امانت ہیں۔ ہمیں انہیں سچائی اور انصاف کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔

۳/ خیر خواہی اور نیکی کی رہنمائی: دوسروں کے ساتھ حسنِ اخلاق اور خیر خواہی کے ساتھ پیش آئیں۔ دین کا مقصد صرف خود کی فلاح نہیں بلکہ سماجی بھلائی بھی ہے۔

یہ حدیث ہمیں یاد دلاتی ہے کہ حقیقی مسلمان وہ ہے جو نہ صرف اللہ کے احکام کی پیروی کرے بلکہ پیغامِ رسالت کو صحیح طریقے سے زندگی میں نافذ کرے، لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور امانت کے ساتھ پیش آئے۔ اگر ہم یہ اصول اپنائیں تو ہمارا معاشرہ عدل، امن اور اخلاقی بلندی کا گہوارہ بن جائے گا۔ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے امت کو آخری مرتبہ ایسا جامع پیغام دیا جو قیامت تک کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان تعلیمات کو اختیار کریں تاکہ دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔

ماخذ و مراجع

(1) صحیح البخاری، کتاب الحج، باب: الخطبۃ ایام منی، حدیث نمبر: 1739، ص: 235، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
(2) صحیح مسلم- کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ جلد اول ص: 397، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ کراچی
(3) سنن الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأۃ علی زوجھا ص: ۲۲۰، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ کراچی
(4) مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الآدب، باب التواضع و ترک الفخر، حدیث نمبر: ۵۱۱۹، المکتبۃ العصریۃ / دار الفکر
(5) صحیح مسلم- کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، جلد اول ص: ۳۹۷، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ کراچی



حضرت امیر خسرو، ایک انوکھے صوفی شاعر

از: مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مصباحی، ایڈیٹر ماہنامہ کنز الایمان

شخصیات

حضرت ابو الحسن یامین الدین امیر خسرو نظامی کی پیدائش 1253ء (651ھ) میں پٹیالی، اتر پردیش میں ہوئی اور 1325ء (725ھ) میں دہلی میں وصال ہوا۔

8 اپریل 2026 کو عرس محل درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں سالانہ دینی روحانی اجتماع میں افتتاحی خطاب کے طور پر ہم نے اپنا یہ حاصل مطالعہ بطور خراج عقیدت پیش کیا۔ اب قارئین کو پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

امیر ابن امیر، دولت مند ابن دولت ناز، معلی القاب جناب یمین دولت حضرت امیر خسرو نظامی دہلوی کو سلطان جلال الدین خلجی نے "ملک الشعراء" کا شاہی خطاب دیا، جنھیں ان کی انوکھی مثنویوں کی بدولت ان کے ہم عصر شاعروں نے "طوطی ہند" پکارا، جنھیں ہم حضرت "امیر خسرو" کہتے ہیں اور "خسرو" ان کا تخلص ہے جس نے نام کا درجہ پالیا ہے۔

حضرت امیر خسرو، سات بادشاہوں، تین شہزادوں اور دو نوابوں کے ملازم رہے، ان کے درباری شاعر اور تاریخ نویس رہے لیکن کسی کی نظر سے گرے نہیں بلکہ ہر ایک نے عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھا، دل کھول کر خوب نوازا، دل سے تسلیم کیا، علم و تجربہ اور سخنوری کے سامنے سر تسلیم خم کیا، بزرگی کی تعظیم اور تکریم کی۔

حضرت امیر خسرو، ایک انوکھے ہندوستانی فارسی شاعر ہیں جنھیں ایرانی شعراء اپنا امام تسلیم کرتے ہیں اور خمسہ نگار ایرانی شاعر نظامی گنجوی کے برابر گردانتے ہیں جس کے مقابلے میں حضرت امیر خسرو نے "پنج گنج" نامی خمسہ لکھا۔ کمال کی بات ہے کہ ایرانیوں کے دوسرے محبوب شاعر مرزا بیدل بھی ہندوستانی دہلوی ہیں اور حضرت امیر خسرو کے پڑوسی ہیں۔

حضرت امیر خسرو، ہی ایک ایسے انوکھے شاعر ہیں جن کی شاعری میں ہندوستانیوں اور برصغیر کے اہل دل کا دل دھڑکتا ہے جن کی "کہہ مکرنیاں" آج ہندوستانیوں کی ترجمانی کرتی ہیں اور جن کی ذات وصفات ہندوستانی تہذیب وثقافت کے نمائندہ ہیں۔

حضرت امیر خسرو کی متروکہ دولت: نظم

1۔ شعری دیوان تحفۃ الصغر، انیس سال عمر میں۔ 2- دیوان وسط الحیاۃ۔ 3- قران السعدین 4۔ مفتاح الفتوح۔ 5- دیوان غرۃ الکمال، یہ پہلا ہے دیوان جس میں مرشد کی مدح سرائی پر کلام پیش کیا... یعنی

سجدۂ عشق کو آستاں مل گیا
سر زمیں کو مری آسماں مل گیا

6۔ آیینہ سکندری، 7- ہشت بہشت، 8- مطلع الانوار، 9- خسرو شیریں، 10- لیلیٰ مجنوں، 11- نہایت الکمال، آخری دیوان جسے انتقال سے پہلے یعنی حضرت سلطان جی کے وصال کے بعد ترتیب دیا۔

نثر

12۔ خزاین الفتوح، تاریخ علائی، اسی کو تاریخ دہلی بھی کہتے ہیں، یہ الگ سے کوئی مستقل تصنیف نہیں۔ 13- افضل الفوٓاد ملفوظات نظامی، ادبی نوعیت کی نثری تصنیف۔ 14- رسائل الاِعجاز۔ تذکرہ نگاروں نے ننانوی تصانیف کا مالک لکھا ہے لیکن سب دستیاب نہیں، یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ 19 سے زیادہ دستیاب نہیں۔

حضرت امیر خسرو، شاہی دربار اور صوفی خانقاہ کے درمیان زندہ خوش عقیدت رابطہ کار تھے۔ حضرت امیر خسرو کو شاہانہ مصاحبت اور حاکمانہ دوستی کا تجربہ تھا لیکن صوفیانہ نظامی مصاحبت اپنا رنگ دکھانے لگی اور ہمیشہ کے لیے یادگار بنا دیا۔

آج ہم حضرت امیر خسرو کی صوفیانہ اور شاعرانہ زندگی کو مختلف و منفرد عناوین و موضوعات کے تحت پڑھ سکتے ہیں اور پیش کر سکتے ہیں جیسے: جہانِ خسرو، مَلِکُ الشعراء، امیر الاُدباء، ماہرِ اَلسِنَہ، موجدِ اصنافِ کثیرہ، سندِ اہلِ زبان، خلیفۂ حضرت نظام الدین اولیاء، زینتِ مجالس اصفیا، نقیب راہ تصوف و طریقت، امینِ تہذیب و ثقافت، مقبولِ انام، فخر اہلِ حق، حضرت خواجہ امیر خسرو چشتی نظامی علیہ الرحمۃ والرضوان۔ کیونکہ

اُس قلندر سے ہوئی بزمِ ریاضت بیدار
گونجی ایوانِ تصوف میں اذانِ خسرو

اُس اَتالیقِ روایاتِ اخوّت کو سلام
رہنما آج بھی ہے عزمِ جوانِ خسرو

ماہرِ اَلسِنَہ اور موجدِ اردو وہ ذات
منفرد لعلوں سے لبریز ہے کانِ خسرو

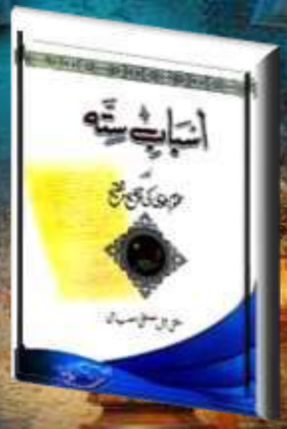
جیسے قطرے سے ہم آغوش ہو سارا دریا
قرب ایسا ہے، نظام اور میانِ خسرو

آسمانوں میں کیا جاتا ہے چرچا اُن کا
ہیں کہاں خاک نشیں مرتبہ دانِ خسرو

رئیس الفقہاء حضرت مفتی آل مصطفی مصباحی رحمہ اللہ کی تصنیف

اسبابِ ستہ اور عموم بلوی کی توضیح و تنقیح

ایک تحقیقی شاہ کار



از: مولانا محمد امن فرحان، کٹیہار

شخصیات

" اسباب ستہ اور عموم بلوی کی توضیح و تنقیح" اس مایہ ناز کتاب کے مصنف رئیس الفقہاء فقیہ اہل سنت حضرت مفتی آل مصطفیٰ مصباحی صاحب قبلہ علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر فرزند، طیبۃ العلماء جامعہ امجدیہ رضویہ (گھوسی) کے صدر مفتی اور ہزاروں علما کے استاذ و مربی تھے، جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں آپ کو تبحر و کمال حاصل تھا، 1990 میں آپ نے سند فراغت حاصل کی اور فقہ و افتا کی خدمات پر معمور ہوئے، فقہ و افتا آپ کا خصوصی میدان تھا اور اس میدان میں آپ نے علم و تحقیق کا چراغ روشن کیا جس کی روشنی سے ایک عالم مستنیر ہوا اور آج بھی ہو رہا ہے۔ آپ نے محض اکتیس برس کی مختصر مدت میں فقہ و فتویٰ کے باب میں جو گراں قدر اور نمایاں خدمات انجام دیں، وہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں۔ اگر حیاتِ مستعار کے چند اور سال میسر آتے تو علمی و فقہی فتوحات کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا، لیکن مرضیِ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ علم و حکمت کا یہ آفتاب 10 جنوری 2022ء کو ہمیشہ کے لیے افق عالم سے روپوش ہو گیا۔

آپ کے قلم سیال سے مختلف علمی و تحقیقی موضوعات پر متعدد کتب، مقالات، حواشی اور تعلیقات منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ آپ کی تحقیقی تصانیف میں سے ایک اہم تصنیف " اَسباب ستہ اور عموم بلوی کی توضیح و تنقیح" بھی ہے۔ اس کتاب کے مطالعے سے مصنف کے تبحرِ علمی، گہرے فہم فقہ اور تفقہ فی الدین میں غیر معمولی مہارت و ممارست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف راقم الحروف ہی نہیں، بلکہ اکابر و اصاغر اہل علم بھی آپ کے علم و فضل کے معترف اور آپ کے اسلوب تحقیق کے گرویدہ ہیں۔

" اَسباب ستہ اور عموم بلوی کی توضیح و تنقیح" یہ کتاب تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے جو اپنے موضوع میں نہایت ہی عمدہ اور تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور علم و تحقیق سے لبریز ہے، اس کتاب کی اشاعت (فقیہ اہل سنت مشن، بائسی پورنیہ بہار) نے کی ہے۔

اُسباب ستہ: ضرورت۔ دفع حرج۔ تعامل۔ ازالہ فساد۔ عرف۔ دینی ضروری مصلحت کی تحصیل۔ اور عموم بلوی کے شرعی معنٰی و مفہوم کیا ہیں؟ کیا شریعت طاہرہ ان کا لحاظ فرماتی ہیں؟ کیا ان کی وجہ سے احکام شرعیہ میں تبدیلی ہوتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو کس حد تک؟ مذکورہ بالا تمام سوالات کا تفصیلی جوابات شرعی اصول و کلیات اور جزئیات کی روشنی میں بطریق احسن حضرت مفتی آل مصطفٰی مصباحی علیہ الرحمہ نے اپنی اس تصنیف میں بیان فرمایا ہے۔

اس کتاب میں چار تقاریظ شامل ہیں۔ پہلی تقریظ ڈاکٹر حازم محمد احمد محفوظ صاحب کی عربی زبان میں ہے جو جامع ازہر مصر کے شعبہ اردو ادب کے استاذ ہیں۔ دوسری تقریظ ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفٰی قادری مصباحی صاحب حفظہ اللہ کے قلم سے ہے۔ تیسری تقریظ حضور بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی صاحب علیہ الرحمہ کی ہے پھر آخری تقریظ حضور مجمع البحرین حضرت مفتی عبید الرحمن علیہ الرحمہ کی ہے۔ مذکورہ بالا اشخاص اربعہ بلاشبہ علم و فضل کے بحر بے کراں ہیں اور سب نے اپنی اپنی تحریر میں حضور فقیہ اہل سنت علیہ الرحمہ کے تبحر علمی اور میدان فقہ و افتا میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے اس کتاب کی اہمیت و ضرورت کو اجاگر کیا ہے۔

حضور فقیہ اہل سنت علیہ الرحمہ نے پہلے "ضرورت، حاجت" کی تعریف کو بیان کیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح کیا ہے کہ علما و فقہا نے حاجت و ضرورت کی تعریف کس طرح سے کی ہے اور کون راجح ہے اور کون مرجوح ہے۔ پھر دونوں تعریفوں کے مابین فرق کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ ضرورت کا مفہوم اور اس کے تحت تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

شریعت طاہرہ میں حاجت کا کیا اعتبار ہے اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے اقسام میں ہر ایک سے کون کون لوگ مراد ہوتے ہیں سب کو تفصیلاً کتب فقہ و اصول فقہ حنفی کی روشنی میں بیان کیا ہے ۔

عرف، عادت، تعامل: ان تینوں کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے "عرف و عادت" کے مفہوم کو بھی واضح کیا ہے پھر ان تینوں کے اقسام (لفظی، قولی، عملی، اصطلاحی) پر گفتگو کرنے کے ساتھ ان کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کی کون کون سی صورتیں ہوں گی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

"دفع حرج" بھی شریعت کے بنیادی اُصول میں سے ہے اور اس کے متعلق قرآنی آیات کو جمع کرنے کے بعد اس کے لغوی و اصطلاحی معانی کو بیان کرنے کے ساتھ ہی عرف و عادت اور تعامل کے ساتھ اور ضرورت و حاجت کے ساتھ دفع حرج کا ذکر کیسا؟ دفع حرج کی اصطلاحی تعریف سے کیا مراد ہیں؟ تمام گوشوں پر سیر حاصل بحث کی ہے ۔

دینی ضروری مصلحت کی تحصیل سے کیا مراد ہیں؟ اور اس کی حاجت و ضرورت ہے یا نہیں؟ ہر گوشے کو علما و فقہا و اصفیا کے اقوال سے مزین فرمایا ہے ۔

فساد موجود یا مظنون بہ ظن غالب کا ازالہ، اس کے معانی و مفاہیم اور اس سے کیا مراد ہیں اور اس کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں سب کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے ۔

عموم بلوی کے لغوی و اصطلاحی تعریفات کے ساتھ اس کے مفاہیم و احکام پر بھی زبردست بحث کی گئی ہے اور عصر حاضر میں عموم بلوی کی ضرورت ہے یا نہیں ؟ اس کو مثالوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے چھٹے اور ساتویں سیمینار میں جو امور طے ہوئے تھے اسے بھی سوال و جواب کے طور پر شامل کتاب کیا گیا ہے اس کے بعد چالیس قواعد فقہیہ بھی شامل کتاب ہیں جن کی جدید مسائل کے حل میں عموماً ضرورت پڑتی ہے۔ اس کے بعد مآخذ و مصادر مذکور ہیں اور اخیر میں احوال مصنف بھی مرقوم ہے۔

خلاصہ : یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت عمدہ، جامع اور فقہ اسلامی کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اس میں "اَسبابِ ستہ" کی تعریف و توضیح کے ساتھ اس کے مختلف گوشوں کو نہایت محققانہ انداز میں اجاگر فرمایا ہے۔ مزید بر آں کتب فقہ و اصول فقہ کے معتبر حوالہ جات ذکر کیے ہیں، ہر بحث کے تحت مناسب امثلہ بھی رقم فرمائی ہیں، اور اکابر علما و فقہا کے اقوال سے کتاب کو علمی وقار بخشا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب دلائل و براہین سے مزین، تحقیقی بصیرت سے معمور، اور فقہی ذوق رکھنے والوں کے لیے ایک بیش بہا علمی سرمایہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆



ارتقائے علم اور عصری تقاضے: کیا ہمارا فکری سفر جمود کا شکار ہے؟

از: **نبیل غزالی**، شعبہ بزنس مینجمنٹ نجم الدین اربکان یونیورسٹی، قونیہ، ترکیہ

متفرقات

کائنات کا ذرہ ذرہ ایک خاموش مگر مسلسل ارتقاء کے عمل سے گزر رہا ہے اور اس وسیع و عریض کارخانۂ قدرت میں انسان کی فضیلت کا واحد استعارہ 'علم' ہے۔ ربِ ذوالجلال نے جب انسان کو مسجودِ ملائک بنایا تو اس کی بنیاد کسی جسمانی طاقت یا مادی برتری پر نہیں، بلکہ اسی علم کی بنیاد پر رکھی تھی۔ علم محض چند کتابی اصطلاحات کو رٹ لینے یا ماضی کے اوراق کو دہراتے رہنے کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک مسلسل بہتا ہوا چشمہ ہے جو فکر و نظر کو جلا بخشتا ہے، کائنات کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھاتا ہے اور خالقِ کائنات کی معرفت کا دروازہ کھولتا ہے۔ قرآنِ مجید نے قدم قدم پر انسان کی سوئی ہوئی عقل کو جھنجھوڑا ہے اور بار بار دعوتِ فکر دی ہے کہ "أَفَلَا يَتَفَكَّرُونَ" (کیا وہ غور نہیں کرتے؟) اور "أَفَلَا يَعْقِلُونَ" (کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟)۔ اللہ تعالیٰ نے تو آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے بدلنے میں غور و خوض کرنے والوں کو 'اولوا الالباب' (عقل والے) قرار دیا، مگر ہم نے تفکر کے اس عظیم قرآنی حکم کو پسِ پشت ڈال کر محض ظاہری رسوم و رواج کو اپنا دین سمجھ لیا۔ جب کسی قوم کا فکری چشمہ سوکھ جائے، جب تحقیق و جستجو کی جگہ اندھی تقلید لے لے، اور جب سوال اٹھانے کی روایت دم توڑ جائے، تو وہ قوم تاریخ کے اوراق میں محض ایک عبرت کا نشان بن کر رہ جاتی ہے۔ آج ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہمارا فکری اور علمی سفر ایک طویل عرصے سے ایک ایسے جمود کا شکار ہے جس نے ہماری تخلیقی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔

ہماری تاریخِ رفتہ اس بات کی گواہ ہے کہ جب تک ہم نے قرآنِ حکیم کی اس دعوتِ 'تفکر' اور 'تدبر' کو سینے سے لگائے رکھا، ہم دنیا کے فکری امام رہے۔ ہمارے اسلاف نے علم کو خیموں اور حجروں کی تاریکیوں میں قید نہیں کیا، بلکہ کائنات کو ایک عظیم تجربہ گاہ سمجھ کر اس کی تسخیر کی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ مبارکہ کا محض ایک پہلو ہی ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے۔ جب ان کے دور میں یونانی فلسفے اور منطق نے اسلامی عقائد پر یلغار کی، تو انہوں نے محض حجرے میں بیٹھ کر فتوے

صادر نہیں کیے، بلکہ پہلے ان باطل نظریات کا اس قدر گہرا اور عمیق مطالعہ کیا کہ خود ان نظریات کے ماہرین دنگ رہ گئے۔ انہوں نے 'تہافت الفلاسفہ' لکھ کر مخالفین کو انہی کے ہتھیار سے اور خالص علمی اور منطقی استدلال سے شکست دی۔ ان کا یہ عمل اس بات کی روشن دلیل ہے کہ باطل کا مقابلہ اس سے نظریں چرانے میں نہیں، بلکہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر علمی محاکمہ کرنے میں ہے۔ آج ہم ان اسلاف کے نام لیوا اور وارث ہونے کے دعویدار تو ہیں، مگر ان کے اس عظیم عمل سے کوسوں دور بھٹک چکے ہیں۔ آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مخالف نظریے، خواہ وہ کوئی نیا معاشی نظریہ ہو یا کوئی جدید سائنسی دریافت، اسے پڑھے اور سمجھے بغیر ہی اس پر کفر اور گمراہی کی مہر ثبت کر دیتے ہیں۔ ہم نے 'علمِ نافع' کے تصور کو اس قدر محدود کر دیا ہے کہ مادے کے خواص، ستاروں کی گردش، اور معاشرتی علوم پر غور و خوض کرنا ہمارے نزدیک کوئی کارِ ثواب ہی نہیں رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات کی وہ تسخیر جو ہمارا مذہبی فریضہ تھی، وہ دوسروں کے ہاتھ میں چلی گئی، اور ہم آج ان کی ایجادات اور ان کے افکار کے محتاجِ محض بن کر رہ گئے ہیں۔

ہمارے فکری سفر میں یہ جمود اور بانجھ پن کسی ایک دن میں نہیں آیا۔ جب ہم نے اجتہاد کے دروازے اپنے ہی ہاتھوں سے بند کیے اور یہ سوچ لیا کہ جو کچھ سوچنا تھا اور جو کچھ لکھنا تھا، وہ اسلاف لکھ چکے ہیں، تو درحقیقت ہم نے اپنے زوال کے پروانے پر دستخط کر دیے۔ اسلاف کا احترام، ان کی علمی وراثت کی پاسداری اور ان کے نقوشِ پا پر چلنا بلاشبہ ہماری بنیاد ہے اور اس کے بغیر ہم ہوامیں معلق ہو جائیں گے، لیکن اس مضبوط بنیاد پر دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک نئی، کشادہ اور ہوادار عمارت کھڑی کرنا ہماری ذمہ داری تھی۔ قرآنِ مجید واضح اعلان کرتا ہے کہ "إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ" (بیشک اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں)۔ مگر ہم نے اپنے آپ کو بدلنے، اپنے فکری رویوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے بجائے، اپنے تعلیمی اداروں میں تنقیدی سوچ (Critical Thinking) کی شدید حوصلہ شکنی کی۔ ہم نے سوال پوچھنے والے اور تجسس رکھنے والے ذہن کو سرکش اور باغی سمجھا، اور ذہنوں کو تحقیق کی بھٹی میں تپا کر 'مفکر' بنانے کے بجائے تقلید کا خوگر بنا دیا۔

جب ہم اپنے اس جمود کی تاریکی کا ماتم کرتے ہیں تو بسا اوقات ہم دوسری انتہائی کھائی میں جا گرتے ہیں اور مغرب کی چکا چوند سے اس قدر مرعوب ہو جاتے ہیں کہ ان کی اندھی تقلید کو ہی اپنی معراج سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ایک بالغ نظر، باشعور اور غیر جانبدار محقق کی نگاہِ دوررس اس فریب اور سراب کو بخوبی بھانپ لیتی ہے۔ بلاشبہ، یورپ اور امریکہ نے سائنسی، تکنیکی اور مادی میدانوں میں حیرت انگیز ترقیاں کی ہیں، ان کے ہاں اداروں کا جو نظم و ضبط ہے، وقت کی جو پابندی ہے، اور تحقیق کا جو کلچر ہے، وہ اس قابل ہے کہ اس کی کھلے دل سے ستائش کی جائے اور اس سے سیکھا جائے۔ لیکن ان کا یہ فکری سفر بھی یک طرفہ، غیر متوازن اور روحانیت سے یکسر خالی ہے۔ مغربی تہذیب نے مادہ پرستی کو اپنا خدا بنا لیا ہے، جہاں علم کو انسانیت کی فلاح، ہمدردی اور اخلاقیات

کے فروغ کے بجائے محض سرمائے (Capital) کی افزائش کا آلہ بنادیا گیا ہے۔ ان کی سائنسی ترقی نے انسان کو چاند کی سطح تک تو پہنچا دیا، سمندروں کی تہوں کو تو کھنگال لیا، لیکن انسان کو انسان سے بہت دور کر دیا۔ خاندانی نظام کا المناک بکھراؤ، رشتوں کا تقدس پامال ہونا، اخلاقی اقدار کا زوال، اور بے تحاشا صارفیت (Consumerism) نے کرہ ارض کے ماحولیاتی اور روحانی توازن کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمیں ان کی تکنیکی اور سائنسی پیش رفت سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے، ان کے تحقیقی طریقوں کو ضرور اپنانا چاہیے، لیکن ان کے ان کھوکھلے معاشرتی، الحادی اور مادی فلسفوں سے مرعوب ہونے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے جن کی بنیادیں ہی ریت کی دیوار پر کھڑی ہیں۔

تاہم، یہاں آکر ہمارا قلم محض تنقید کے نشتر چلا کر، دوسروں کی خامیاں گنوا کر اور اپنے اسلاف کے قصیدے پڑھ کر رک نہیں سکتا۔ کسی بھی مرض کی محض تشخیص کر لینا، یا اغیار کی خامیوں اور اپنی کوتاہیوں کا رونا رو لینا بذاتِ خود کوئی کمال نہیں ہے جب تک کہ اس مرض کا شافی علاج اور آگے بڑھنے کا ایک واضح، ٹھوس اور قابلِ عمل لائحہ عمل سامنے نہ لایا جائے۔ اگر ہمارا فکری سفر جمود کا شکار ہے اور مغربی ماڈل بھی اپنے اندر روحانی اور اخلاقی کھوکھلا پن رکھتا ہے، تو پھر آگے بڑھنے کا راستہ کون سا ہے؟ ہم نے اس گرداب سے نکلنے کے لیے عملی طور پر کیا کرنا ہے؟

اس ضمن میں سب سے پہلا اور بنیادی قدم جو ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اٹھانا ہے، وہ ہمارے 'علمی اور فکری رویوں کی تشکیلِ نو' ہے۔ ہمیں اپنے مطالعے کے محدود کینوس کو وسیع کرنا ہوگا۔ آج کا نوجوان، ریسرچ اسکالر، یا عالمِ دین جب تک عالمی تاریخ، جدید معاشیات، نفسیات، عمرانیات، عالمی سیاست اور مغربی فلسفے کا عمیق مطالعہ نہیں کرے گا، وہ عصرِ حاضر کے چیلنجز کا جواب دینے کے قابل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اپنے اندر وہ اعلیٰ تنقیدی شعور بیدار کرنا ہوگا جو ہر قسم کے تعصبات سے پاک ہو۔ جب ہم کسی مفکر کو پڑھیں تو محض اس لیے اسے رد نہ کریں کہ وہ مغرب سے ہے یا ہمارے مکتبۂ فکر سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ اس کے دلائل کو خالص علمی اور عقلی کسوٹی پر پرکھیں۔ جو چیز انسانیت، عقلِ سلیم اور فطرت کے عین مطابق ہو، اسے حکمت کی گمشدہ میراث سمجھ کر سینے سے لگائیں، اور جہاں وہ بھٹک رہے ہوں، وہاں خالص علمی، شائستہ اور منطقی انداز میں ان کا رد پیش کریں۔ جذباتی نعرے بازی، کھوکھلی تقریروں اور بات بات پر فتوے بازی نے ہماری فکری اور تحقیقی صلاحیتوں کو زنگ آلود کر دیا ہے؛ اس کا واحد متبادل ایک ٹھوس علمی اور سنجیدہ مکالمہ (Dialogue) ہے۔

دوسرا اہم ترین اور ناگزیر لائحہ عمل ہمارے تعلیمی نظام کے اندر موجود اس خوفناک خلیج کو پاٹنا ہے جس نے ہماری قوم کو دو مختلف سمتوں میں بانٹ دیا ہے۔ آج ہمارے مدارس اور جامعات دو بالکل الگ الگ، اور بعض اوقات متصادم، دنیائیں بن چکی ہیں۔ ایک طرف وہ طبقہ ہے جو جدید دنیاوی علوم تو پڑھ رہا ہے مگر دین کی روح، اخلاقیات اور اپنی تاریخ سے یکسر ناآشنا ہے، اور دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو علومِ دینیہ کا وارث تو ہے مگر جدید دنیا کے پیچیدہ سائنسی، معاشی اور فلسفیانہ چیلنجز سے مکمل طور پر

بے خبر ہے۔ جب تک ہم ان دونوں دھاروں کو ملا کر ایک ایسا جامع تعلیمی ماڈل وضع نہیں کرتے جہاں جدید سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشیات پڑھنے والا طالبِ علم اسلامی اخلاقیات، دیانت اور خوفِ خدا سے آراستہ ہو، اور مدرسے میں پڑھنے والا طالب علم مصنوعی ذہانت(AI) ، کلائمیٹ چینج، اور عالمی اقتصادیات کے پیچ وخم کو سمجھتا ہو، تب تک کسی بھی قسم کی فکری بالیدگی ممکن نہیں۔ ہمیں اپنے نصاب میں مکالمے، آزادانہ تحقیق اور سوال اٹھانے کی آزادی کو لازمی جزو بنانا ہوگا۔ اساتذہ اور شیوخ کا کام اب محض پرانی کتابوں کی عبارات حل کروانا یا معلومات منتقل کرنا نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ معلومات تو آج کی ڈیجیٹل دنیا میں محض ایک کلک کی دوری پر ہیں؛ ان کا اصل کام طلباء میں وہ 'بصیرت' اور 'حکمت' پیدا کرنا ہے جو حق اور باطل کے درمیان تمیز کر سکے۔

تیسرا اور انتہائی کلیدی عملی قدم عالمی سطح کے تحقیقی اداروں (Research Think Tanks) کا قیام ہے جو آفاقی سطح پر سوچیں اور مقامی سطح پر عمل پیرا ہوں۔ آج اگر دنیا ماحولیاتی تبدیلی کی تباہ کاریوں کا شکار ہے، یا جدید بینکاری اور سود کے عالمی معاشی نظام نے غریب ملکوں کا خون چوس لیا ہے، تو ہم بحیثیت امت مسلمہ صرف یہ کہہ کر بری الذمہ نہیں ہو سکتے کہ یہ سب استعماری طاقتوں کا کیا دھرا ہے۔ ہمارا لائحہ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں ایک متبادل معاشی اور ماحولیاتی ماڈل دنیا کے سامنے پیش کریں۔ ہم دنیا کو بتائیں کہ اسلام کا تصورِ اعتدال، قناعت اور اسراف (فضول خرچی) کی ممانعت کس طرح آج کی دنیا کو تباہی سے بچا سکتی ہے۔ ہم جدید کارپوریٹ سیکٹر کے استحصالی رویوں کے مقابلے میں اسلامی تجارت کے منصفانہ اصولوں کو ایک عملی ڈھانچے میں پیش کریں۔ یہ ہے وہ عملی اور فکری کردار جو عصرِ حاضر ہم سے مانگ رہا ہے۔ وقت کا بے رحم پہیہ کسی کا انتظار نہیں کرتا اور تاریخ قوموں کو ان کے محض شاندار ماضی کی بناء پر معاف نہیں کرتی، بلکہ ان کے حال کی کارکردگی اور مستقبل کی ٹھوس منصوبہ بندی پر پرکھتی ہے۔ آج کا یہ دور ہم سے ایک نئی فکری بیداری، وسعتِ قلبی، اور مسلسل جدوجہد کا تقاضا کر رہا ہے۔ یہ وقت رونے دھونے اور اغیار کو کوسنے کا نہیں، بلکہ اپنے گریبان میں جھانک کر خود احتسابی کا ہے۔ جس دن ہماری دانشگاہوں سے مکالمے اور تحقیق کی سوکھی ہوئی رگوں میں دوبارہ خون دوڑنے لگے گا، اور جس دن ہم صرف تنقید کرنے کے بجائے ایک واضح، مثبت، عالمگیر اور قابلِ عمل خاکہ لے کر دنیا کے سامنے کھڑے ہوں گے، وہ دن ہمارے فکری جمود کے خاتمے کا پہلا دن ہوگا۔ اللہ رب العزت ہمیں علمِ نافع، فہمِ سلیم، اور عملِ پیہم کی وہ دولت عطا فرمائے جو کائنات کے اس ارتقائی سفر میں ہمیں ایک بار پھر اس مقام پر فائز کر سکے جس کے ہم امین بنائے گئے تھے۔



مشرقِ وسطیٰ کی بدلتی صورتحال

متفرقات

از: حافظ افتخار احمد قادری، کریم گنج، پورن پور، پیلی بھیت، یو. پی

عالمی سیاست کے افق پر مشرقِ وسطیٰ ہمیشہ سے ایک ایسا خطہ رہا ہے جہاں تاریخ، مذہب، معیشت اور طاقت کی کشمکش ایک دوسرے میں اس طرح پیوست ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں۔ یہ خطہ نہ صرف تین عظیم مذاہب اسلام، عیسائیت اور یہودیت کا مرکز ہے بلکہ دنیا کے سب سے بڑے تیل کے ذخائر کا حامل بھی ہے جس نے اسے عالمی طاقتوں کی توجہ کا مستقل محور بنا رکھا ہے۔ تاہم حالیہ برسوں میں مشرقِ وسطیٰ کی صورتحال میں جو تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں وہ نہ صرف خطے بلکہ پوری دنیا کے لیے ایک نئے سیاسی و تزویراتی دور کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ گزشتہ دہائی میں مشرقِ وسطیٰ نے جس بے چینی و اضطراب کا سامنا کیا اس کی جڑیں "عرب بہار" سے جاملتی ہیں جس نے کئی حکومتوں کو زمین بوس کر دیا اور کئی ریاستوں کو خانہ جنگی کی آگ میں جھونک دیا۔ شام و لیبیا اور یمن جیسے ممالک اس کے بدترین مظاہر بن کر ابھرے جہاں داخلی انتشار نے بیرونی مداخلت کی راہیں ہموار کیں۔ نتیجتاً یہ خطہ عالمی طاقتوں کی پراکسی جنگوں کا میدان بن گیا جہاں ہر طاقت اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے سرگرم نظر آتی ہے۔

موجودہ صورتحال میں سب سے نمایاں پہلو خطے میں طاقت کے توازن کا بتدریج تبدیل ہونا ہے۔ ایک طرف امریکہ جو طویل عرصے تک اس خطے میں بلا شرکتِ غیرے اثر انداز رہا، اب بتدریج اپنی براہِ راست مداخلت کم کر رہا ہے۔ اس کی جگہ علاقائی طاقتیں جیسے ایران، ترکی اور سعودی عرب زیادہ فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔ ایران اپنی انقلابی نظریاتی اساس کے تحت مشرقِ وسطیٰ میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کی مسلسل کوشش کر رہا ہے جس کے لیے وہ مختلف غیر ریاستی عناصر کی حمایت سے لے کر براہِ راست سفارتی و عسکری اقدامات تک ہر حربہ استعمال کر رہا ہے۔ اس کے برعکس سعودی عرب خود کو سنی دنیا کا قائد سمجھتے ہوئے ایران کے اثر کو محدود کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے جس کے نتیجے میں خطے میں ایک سرد جنگ جیسی کیفیت پیدا ہو چکی ہے۔

اسی دوران ترکی بھی ایک نئی عثمانی سوچ کے ساتھ خطے میں اپنی حیثیت مستحکم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ شام و عراق اور لیبیا میں اس کی مداخلت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ ایک علاقائی کھلاڑی نہیں بلکہ ایک بڑی قوت کے طور پر خود کو منوانا چاہتا ہے۔ ان تمام عوامل نے مل کر مشرقِ وسطیٰ کو ایک پیچیدہ شطرنج کی بساط میں تبدیل کر دیا ہے جہاں ہر چال کے دور رس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس منظر نامے میں اسرائیل کا کردار بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ حالیہ برسوں میں بعض عرب ممالک کے ساتھ اس کے تعلقات میں جو غیر معمولی بہتری آئی ہے وہ اس خطے کی روایتی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی کی علامت ہے۔ ابراہام معاہدوں کے ذریعے متحدہ عرب امارات بحرین اور دیگر ممالک کا اسرائیل کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں نظریاتی دشمنیوں کی جگہ اب مفادات نے لے لی ہے۔ تاہم اس کے باوجود مسئلہ فلسطین آج بھی ایک سلگتا ہوا زخم ہے جو کسی بھی وقت ایک بڑے تصادم کو جنم دے سکتا ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی مشرقِ وسطیٰ ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔ تیل پر انحصار کم کرنے کے لیے سعودی عرب کا "ویژن 2030" اور دیگر ممالک کی اقتصادی اصلاحات اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ خطہ اپنی معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لیے سنجیدہ ہے۔ تاہم اس راہ میں سیاسی عدم استحکام بدعنوانی اور بیرونی دباؤ جیسے عوامل بڑی رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ مزید برآں عالمی طاقتوں کا کردار بھی اس خطے میں ایک نئی شکل اختیار کر رہا ہے۔ چین اپنی معاشی طاقت کے ذریعے مشرقِ وسطیٰ میں اپنی موجودگی بڑھا رہا ہے جبکہ روس شام میں اپنی عسکری مداخلت کے ذریعے ایک مضبوط کھلاڑی کے طور پر ابھرا ہے۔ ان تبدیلیوں نے امریکہ کی روایتی بالادستی کو چیلنج کیا اور ایک کثیر القطبی عالمی نظام کی بنیاد رکھ دی ہے۔ یہ تمام عوامل اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ مشرقِ وسطیٰ اس وقت ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے جہاں پرانے اتحاد ٹوٹ رہے ہیں اور نئے تعلقات جنم لے رہے ہیں۔ اس بدلتی ہوئی صورتحال میں سوال یہ ہے کہ آیا یہ خطہ استحکام کی طرف بڑھے گا یا مزید انتشار کا شکار ہوگا؟ اس کا جواب آسان نہیں کیونکہ یہاں کے مسائل محض سیاسی نہیں بلکہ تاریخی مذہبی اور تہذیبی نوعیت کے بھی ہیں۔ اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی اصل جنگ صرف سرحدوں یا وسائل کی نہیں بلکہ بیانیے اور شناخت کی جنگ ہے۔ ہر طاقت اپنے نظریے کو غالب دیکھنا چاہتی ہے اور یہی کشمکش اس خطے کو مستقل بے چینی کا شکار بنائے ہوئے ہے۔ ایسے میں اگر کوئی امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ سفارت کاری مکالمہ اور باہمی احترام کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلقات ہیں۔ لیکن افسوس کہ طاقت کی سیاست میں اکثر یہ اصول پسِ پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔

مشرقِ وسطیٰ کی بدلتی ہوئی صورتحال دراصل عالمی سیاست کے بدلتے ہوئے دھاروں کی عکاس ہے۔ یہاں ہونے والی ہر تبدیلی نہ صرف خطے بلکہ پوری دنیا پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر عالمی برادری نے دانشمندی اعتدال اور انصاف کا راستہ اختیار نہ کیا تو یہ خطہ نہ صرف خود بلکہ دنیا کو بھی ایک بڑے بحران کی طرف دھکیل سکتا ہے لیکن اگر مفادات کے ساتھ ساتھ اصولوں کو بھی اہمیت دی گئی تو یہی خطہ امن و ترقی اور استحکام کی ایک نئی مثال بھی بن سکتا ہے۔ کیوں کہ مشرقِ وسطیٰ میں جاری یہ رسہ کشی طاقت کے توازن کی جنگ ضرور ہے مگر اس کے پردے میں مفادات کی ایسی اندھی سیاست کار فرما ہے جس نے انصاف و خود مختاری اور انسانی وقار جیسے اصولوں کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ عالمی طاقتیں اس خطے کو اپنی تزویراتی بساط کا مہرہ بنائے ہوئے

ہیں جبکہ علاقائی قوتیں اپنی برتری کے خمار میں اس آگ کو مزید بھڑکا رہی ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی راستہ نکل سکتا ہے تو وہ طاقت کے استعمال سے نہیں بلکہ شعور و تدبر اور دیانت دار سفارت کاری سے ہی ممکن ہے۔

لہٰذا! سب سے پہلے اس خطے کے ممالک اپنے داخلی استحکام کو ترجیح دیں۔ جب تک ریاستیں اندرونی طور پر مضبوط، خود کفیل اور سیاسی طور پر مستحکم نہیں ہوں گی وہ بیرونی دباؤ کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ داخلی انتشار ہی وہ دراڑ ہے جس سے بیرونی مداخلت راستہ بناتی ہے۔ لہٰذا! حقیقی حل کا آغاز اندر سے ہوتا ہے۔ شفاف طرزِ حکمرانی، عوامی اعتماد کی بحالی اور قانون کی بالادستی کے قیام سے۔ اس کے ساتھ ساتھ علاقائی سطح پر ایک نئی سنجیدہ اور حقیقت پسندانہ سفارت کاری کی ضرورت ہے جو وقتی مفادات کے بجائے طویل المدتی امن کو مدنظر رکھے۔ ایران، سعودی عرب، ترکی اور دیگر اہم ممالک کو یہ ادراک کرنا ہوگا کہ باہمی تصادم کسی ایک کی فتح اور دوسرے کی شکست پر منتج نہیں ہوگا بلکہ یہ پورے خطے کی اجتماعی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ مفاہمت، مکالمہ اور باہمی احترام ہی وہ اصول ہیں جن پر ایک متوازن اور پائیدار نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔ حالیہ برسوں میں بعض سفارتی پیش رفتیں اس بات کا عندیہ ضرور دیتی ہیں کہ اگر نیت اور حکمت دونوں میسر ہوں تو دیرینہ دشمنیاں بھی کم ہو سکتی ہیں۔ مسئلہ فلسطین جیسے بنیادی تنازعات کا منصفانہ حل بھی ناگزیر ہے کیونکہ جب تک اس جیسے سلگتے ہوئے مسائل موجود رہیں گے خطے میں حقیقی امن ایک خواب ہی رہے گا۔ یہ مسئلہ ایک جغرافیائی تنازع نہیں بلکہ ایک اخلاقی اور انسانی آزمائش ہے جسے نظر انداز کر کے کسی وسیع تر استحکام کی امید رکھنا خود فریبی کے مترادف ہوگا۔ عالمی برادری کو بھی اپنی پالیسیوں پر از سرِ نو غور کرنا ہوگا۔ طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے نام پر اسلحے کی فراہمی، پراکسی جنگوں کی سرپرستی اور یکطرفہ فیصلے دراصل مسائل کو حل نہیں بلکہ مزید پیچیدہ بناتے ہیں۔ اگر واقعی دنیا ایک پر امن مستقبل کی خواہاں ہے تو اسے انصاف پر مبنی بین الاقوامی نظام کو فروغ دینا ہوگا جہاں چھوٹے اور بڑے ممالک کے لیے یکساں اصول ہوں اور جہاں طاقت کے بجائے قانون کی حکمرانی ہو۔ آخرکار یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ مشرقِ وسطیٰ کا استحکام اس خطے کا نہیں بلکہ پوری دنیا کا مسئلہ ہے۔ یہاں کی آگ اگر بھڑکتی ہے تو اس کی تپش عالمی معیشت، سلامتی اور انسانی اقدار تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اس لیے اس بحران کا حل بھی اجتماعی بصیرت، مشترکہ ذمہ داری اور سنجیدہ کاوشوں کا متقاضی ہے۔ اگر اس خطے کے رہنما، عالمی طاقتیں اور عوام سب مل کر مفادات کی تنگ نظری سے نکل کر وسیع تر انسانی بھلائی کو مقدم رکھیں تو وہ دن دور نہیں جب مشرقِ وسطیٰ جنگوں اور سازشوں کی سر زمین کے بجائے امن و ترقی اور تہذیبی ہم آہنگی کی روشن مثال بن کر ابھرے گا لیکن اگر یہی روش برقرار رہی تو یہ خطہ مسلسل کشمکش، عدمِ استحکام اور بے یقینی کی دلدل میں پھنسا رہے گا اور تاریخ ایک بار پھر انسان کی کوتاہ اندیشی پر نوحہ کناں ہوگی۔



امام احمد رضا کے قصیدۂ معراج میں جلوۂ عرفان

قسط اول

از: مولانا ازہر القادری، جامعہ مٹھنا، سدھارتھ نگر

نیت نے طہارت کا جامہ پہنا، قلم نے عشق کے پانی سے وضو کیا، ہاتھ نے دست بستہ قلم کو دل کے کاغذ پر رکھا، آنکھوں نے درود کی خوشبو سونگھی، سانسوں نے ادب کی چادر اوڑھی، روح نے عرش کی سمت نگاہ اٹھائی اور دل نے دھڑکن کو تھام کر آہستہ سے کہا کہ آج "قصیدۂ معراجیہ" لکھا جائے گا؛ وہی قصیدہ جس میں لفظ قیام کرتے ہیں، وہی قصیدہ جس میں جذبے رکوع کرتے ہیں، وہی قصیدہ جس میں فکر سجدے کرتی ہے، وہی قصیدہ جس میں احساس تسبیح پڑھتا ہے، وہی قصیدہ جس میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے عشق رسول کی دھڑکن سنائی دیتی ہے اور جس کے ہر حرف میں مصطفی جان رحمت کی عظمتوں کی روشنیاں جھلکتی ہیں۔

یہ کوئی عام تحریر نہیں، یہ دل کا سفر ہے، یہ ایمان کی مسافت ہے، یہ محبت کی سیڑھی ہے، یہ ادب کا احرام ہے، یہ روح کا وضو ہے، یہ فکر کا طواف ہے، یہ جذبات کی سجدہ گاہ ہے، یہ آنکھوں کا آنسو ہے اور یہ دل کی دھڑکن ہے، یہ وہ کلام ہے جسے پڑھتے ہوئے لفظ نہیں پڑھے جاتے بلکہ دل جھکایا جاتا ہے، یہ وہ نظم ہے جسے سنتے ہوئے کان نہیں بلکہ روح سنتی ہے، یہ وہ بیان ہے جس میں تاریخ نہیں بلکہ نور بولتا ہے، یہ وہ شاعری ہے جس میں وزن نہیں بلکہ وجدان دھڑکتا ہے۔

یہ وہ نورانی قافلہ ہے جس کا پہلا قدم ہی دل کو آسمانوں کی سمت کھینچ لیتا ہے اور ایمان کو سجدے میں گرا دیتا ہے، وہ صدا جو زمین سے اٹھتی ہے اور عرش کے دروازے پر جا کر دستک دیتی ہے، وہ نغمہ جسے سن کر فرشتے خاموش ہو جاتے ہیں اور آسمان ادب سے جھک جاتا ہے، وہ صدا جس میں محبت بولتی ہے اور عقیدہ سر جھکاتا ہے، وہ پکار؛ جس میں بندگی کی خوشبو ہے اور غلامی کی شان۔

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ وہ مرد عشق ہیں جن کی زبان فقہ بھی ہے اور محبت بھی، جن کا قلم دلیل بھی ہے اور درود بھی، جن کا شعر استدلال بھی ہے اور سوز بھی، جن کے لفظوں میں کتاب بھی بولتی ہے اور دل بھی، جن کے جملوں میں

مدرسہ بھی جھلکتا ہے اور مصلی بھی، جن کی تحریر میں منبر بھی ہے اور محراب بھی، جن کے کلام میں مسجد بھی ہے اور خانقاہ بھی، جن کے شعر میں علم بھی ہے اور عشق بھی، جن کے قلم میں نور بھی ہے اور نار بھی، جن کی فکر میں ترتیب بھی ہے اور تپش بھی۔

انھوں نے معراج کو تاریخ کے اوراق میں قید نہیں کیا بلکہ دلوں کے افق پر روشن کیا، انھوں نے شب معراج کو فقط ایک واقعہ نہیں بنایا بلکہ ایمان کا چراغ بنا دیا، انھوں نے اس سفر کو محض قصہ نہیں بنایا بلکہ روح کی معراج بنا دیا، انھوں نے آسمانوں کی وسعت کو لفظوں میں سمو دیا اور عرش کی رفعت کو سطروں میں اتار دیا، انھوں نے جبریل کی رک جانے والی حد کو بھی شعر بنا دیا اور محبوب خدا کے آگے بڑھ جانے والے قدموں کو بھی نغمہ بنا دیا۔

پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے قاری بھی براق پر سوار ہو گیا ہو، جیسے روح بھی جبریل کے ساتھ حد امکان تک پہنچ گئی ہو، جیسے دل بھی سدرۃ المنتہی کی خوشبو میں نہا گیا ہو، جیسے آنکھیں بھی اس رات کے نور سے روشن ہو گئی ہوں، جیسے فکر بھی اس سفر کے ہمراہ چل پڑی ہو، جیسے جذبہ بھی اس قافلے کا حصہ بن گیا ہو۔

معراج وہ رات ہے جب زمین نے آسمان کو سلام کیا، وہ ساعت جب وقت نے اپنی سانس روک لی۔ وہ لمحہ جب مکان سمٹ گیا، وہ گھڑی جب فاصلے پگھل گئے، وہ ساعت جب جبریل ادب سے رک گئے اور محبوب خدا تنہا رب کے حضور پہنچ گئے، وہ لمحہ جب بشر نے باری تعالیٰ سے وہ قرب پایا جو نہ کسی فرشتے کو نصیب ہوا نہ کسی نبی کو، وہ گھڑی جب کائنات نے اپنے تاجدار کو دیکھا اور اپنے خالق کی عطا کا نظارہ کیا۔

اور امام احمد رضا اس رات کو یوں لفظ دیتے ہیں کہ قاری کی آنکھ بھیگ جاتی ہے اور دل کانپ اٹھتا ہے، وہ اس سفر کو یوں بیان کرتے ہیں کہ ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور عقیدہ مضبوط ہو جاتا ہے، وہ اس واقعے کو یوں سجاتے ہیں کہ ادب بھی حیران رہ جاتا ہے اور عشق بھی سر جھکا لیتا ہے، وہ اس حقیقت کو یوں سناتے ہیں کہ روح جھوم اٹھتی ہے اور فکر سجدے میں گر جاتی ہے۔

یہ ہمیں بتاتا ہے کہ مصطفی فقط زمین کے نبی نہیں بلکہ آسمانوں کے مہمان بھی ہیں، یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ وہ صرف امت کے رسول نہیں بلکہ رب کے محبوب بھی ہیں، یہ ہمیں سمجھاتا ہے کہ وہ صرف بشر نہیں بلکہ بشر کے تاجدار بھی ہیں، یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ فقط تاریخ کا کردار نہیں بلکہ ایمان کی جان بھی ہیں، یہ ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ فقط نام نہیں بلکہ نجات بھی ہیں، یہ ہمیں یہ یقین عطا کرتا ہے کہ وہ فقط یاد نہیں بلکہ سہارا بھی ہیں۔

یہ وہ کلام ہے جس میں ہر شعر درود ہے، ہر مصرع سلام ہے، ہر قافیہ عقیدت ہے، ہر ردیف محبت ہے، ہر بحر نور ہے، ہر لفظ تسبیح ہے، ہر جملہ دعا ہے، ہر سطر سجدہ ہے، ہر پیراگراف قیام ہے، ہر عبارت رکوع ہے۔

یہ قصیدہ پڑھتے ہوئے آنکھیں وضو کرتی ہیں، دل تسبیح بنتا ہے، روح قیام میں کھڑی ہو جاتی ہے، فکر سجدے میں گر جاتی ہے، جذبات روتے ہیں مگر مسکراتے ہیں، احساس کانپتے ہیں مگر مطمئن ہوتے ہیں، ذہن جھکتا ہے مگر روشن ہو جاتا ہے، شعور خاموش ہوتا ہے مگر بیدار ہو جاتا ہے۔

یہ محفل کی زینت نہیں بلکہ محفل کی جان ہے، یہ مشاعرہ نہیں بلکہ مجلس نور ہے، یہ ترنم نہیں بلکہ ذکر ہے، یہ واہ واہی نہیں بلکہ لبیک ہے، یہ داد نہیں بلکہ درود ہے۔

یہ وہ کلام ہے جسے سن کر دل کہتا ہے یا رسول اللہ! انظر حالنا، یہ وہ نظم ہے جسے پڑھ کر آنکھ کہتی ہے یا حبیب اللہ! اسمع قالنا، یہ وہ بیان ہے جسے سمجھ کر روح کہتی ہے یا شفیع المذنبین! اشفع لنا، یہ وہ نغمہ ہے جسے گنگنا کر لب کہتا ہے یا سید المرسلین! خذ یدی سھل لنا اشکالنا. یہ وہ صدا ہے جسے دہرا کر دل کہتا ہے یا امام الانبیاء! مقصودنا۔

امام احمد رضا کا یہ قصیدہ امت کے لیے سرمایہ ہے، عشق والوں کے لیے پہچان ہے، ادب والوں کے لیے معیار ہے، غلامان مصطفی کے لیے فخر ہے، طالب علم کے لیے درس ہے، سالک کے لیے منزل ہے، عاشق کے لیے زادراہ ہے، گناہ گار کے لیے امید ہے، ٹوٹے ہوئے دل کے لیے مرہم ہے، بھٹکے ہوئے ذہن کے لیے چراغ ہے۔

یہ ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ ہم خاک کے بنے ہیں مگر نسبت آسمان سے ہے، ہم زمین کے مسافر ہیں مگر دل عرش کا طالب ہے، ہم فانی ہیں مگر ہمارا نبی باقی ہے، ہم کمزور ہیں مگر ہمارا سہارا مضبوط ہے، ہم گناہ گار ہیں مگر ہماری شفاعت یقینی ہے، ہم خطاکار ہیں مگر ہماری امید زندہ ہے۔

یہ ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ محبت منطق سے بڑی ہے، عشق دلیل سے بلند ہے، ادب عبادت سے قریب ہے، اور مصطفی سب سے اعلی ہیں، یہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ علم اگر عشق سے خالی ہو تو بوجھ ہے اور عشق اگر ادب سے خالی ہو تو فتنہ ہے، یہ ہمیں یہ سمجھاتا ہے کہ فقہ اگر محبت سے جدا ہو تو خشک ہے اور محبت اگر شریعت سے جدا ہو تو گمراہ ہے۔

یہ وہ کلام ہے جسے پڑھ کر دل روتا ہے مگر سکون پاتا ہے، یہ وہ نظم ہے جسے سن کر آنکھ بھیگتی ہے مگر روشن ہو جاتی ہے، یہ وہ بیان ہے جسے سمجھ کر روح جھک جاتی ہے مگر بلند ہو جاتی ہے، یہ وہ نغمہ ہے جسے گنگنا کر لب تھرتھراتے ہیں مگر مسکراتے ہیں، یہ وہ صدا ہے جسے دہرا کر سینہ بھرتا ہے مگر ہلکا ہو جاتا ہے۔

یہ صرف ایک نظم نہیں بلکہ ایمان کا استعارہ ہے، صرف ایک قصیدہ نہیں بلکہ عشق کی معراج ہے، صرف ایک ادبی شاہکار نہیں بلکہ عقیدت کی عبادت ہے، صرف ایک شعری مجموعہ نہیں بلکہ نور کی بارش ہے، صرف ایک تخلیق نہیں بلکہ درود کا قافلہ ہے، صرف ایک فن پارہ نہیں بلکہ مصطفی کی عظمت کا آئینہ ہے۔

یہ وہ کلام ہے جو سالوں سے دلوں کو گرما رہا ہے، جو آنکھوں کو نم کر رہا ہے، جو زمانوں سے روحوں کو مہکا رہا ہے، جو دوریوں کو مٹا رہا ہے۔ جو فاصلے سمیٹ رہا ہے، جو نفرتوں کو جلا رہا ہے اور محبتوں کو جگا رہا ہے، جو اندھیروں کو چیر رہا ہے اور اجالوں کو بکھیر رہا ہے۔ جو مسجدوں میں بھی پڑھا جاتا ہے اور خانقاہوں میں بھی، جو مدرسوں میں بھی سنایا جاتا ہے اور گھروں میں بھی، جو منبروں پر بھی گونجتا ہے اور مصلوں پر بھی، جو محفلوں میں بھی بہتا ہے اور تنہائیوں میں بھی، جو ہجوم میں بھی دل کو چھو لیتا ہے اور خلوت میں بھی آنکھ بھگو دیتا ہے۔

یہ وہ کلام ہے جو صرف پڑھا نہیں جاتا بلکہ جیا جاتا ہے، جو صرف سنا نہیں جاتا بلکہ محسوس کیا جاتا ہے، جو صرف سمجھا نہیں جاتا بلکہ مانا جاتا ہے، جو صرف یاد نہیں کیا جاتا بلکہ دل میں بسایا جاتا ہے، جو صرف دہرایا نہیں جاتا بلکہ روح میں اتارا جاتا ہے۔

اور جب تک دل دھڑکتا رہے گا، جب تک آنکھ نم ہوتی رہے گی، جب تک لب درود پڑھتے رہیں گے، جب تک روح سجدہ کرتی رہے گی، جب تک عشق زندہ رہے گا، جب تک ادب باقی رہے گا، جب تک ایمان روشن رہے گا، تب تک یہ پڑھا جاتا رہے گا، سنایا جاتا رہے گا، سنا جاتا رہے گا، آنکھوں سے لگایا جاتا رہے گا، دل میں بسایا جاتا رہے گا، روح میں اتارا جاتا رہے گا۔

کیوں کہ یہ قصیدہ نہیں، یہ ہماری روح کی پہچان ہے، یہ معراج نہیں، یہ ہماری نجات کی سیڑھی ہے، یہ شعر نہیں، یہ ایمان کی صدا ہے، یہ نظم نہیں، یہ عشق کی اذان ہے، یہ کلام نہیں، یہ غلامی کا اعلان ہے، یہ بیان نہیں، یہ بندگی کی پہچان ہے، یہ تحریر نہیں، یہ محبت کی شہادت ہے۔

اور جب بھی قصیدۂ معراجیہ کا کوئی شعر فضا میں بکھرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے عرش سے نور کی ایک کرن زمین پر اتر آئی ہو، جیسے روضۂ رسول سے خوشبو کی ایک لہر دلوں تک پہنچ گئی ہو، جیسے مدینہ کی ہوا نے آکر سینے کو چھو لیا ہو، جیسے درود کی ایک بوند نے آنکھوں کو بھگو دیا ہو، جیسے عشق کی ایک چنگاری نے دل کو روشن کر دیا ہو۔

یہی قصیدۂ معراجیہ کی شان ہے، یہی اس کی پہچان ہے، یہی اس کی معراج ہے۔

قصیدۂ معراجیہ:—"پہلا شعر"

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

آہ! یہ کون سا لمحہ ہے جس میں لفظ اپنے آپ سے شرما جائیں، معنی اپنے دامن سمیٹ لیں اور تعبیرات اپنی پیشانیاں جھکا دیں؟ یہ کون سا در ہے جہاں ادب خود ادب سے اجازت مانگے اور سخن اپنی ہی ہیبت میں لرزاں ہو؟ یہ کون سا آستانہ ہے جہاں پہنچ کر فکر سجدہ ریز ہو جائے اور شعور وضو کے پانی سے اپنی آنکھیں دھو لے؟ یہ وہی ساعت ہے جہاں دل دھڑکنیں بھول جائے اور روح وجد کے لباس میں ملبوس ہو کر نعت کے چراغ جلائے۔ یہ وہی لمحہ ہے جہاں قلم اپنی روشنائی سے پہلے اپنے وجود پر ناز کرے کہ

اسے امام عشق و محبت، امام اہل سنت، مجدد ملت، عاشق رسول، امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے قصیدۂ معراجیہ کے پہلے بند کی خدمت کا شرف نصیب ہو رہا ہے۔

یہ وہ بند ہے جو محض دو مصرعوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ صدیوں کی عقیدت، نسلوں کی محبت، امتیوں کے آنسوؤں، عشاق کے سجدوں، اور اہل دل کے خوابوں کا ترجمان ہے۔ یہ وہ شعر ہے جو صرف پڑھا نہیں جاتا، سنا نہیں جاتا، بلکہ دل میں اتارا جاتا ہے، روح میں بسایا جاتا ہے اور آنکھوں میں آنسو بن کر ٹھہر جاتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جس کے سامنے ادب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور معنی سر جھکا کر اجازت طلب کرتے ہیں۔

یہ شعر نہیں، یہ معراج کی تصویر ہے۔ یہ محض الفاظ نہیں، یہ آسمانوں کی داستان ہے۔ یہ صرف قصیدہ نہیں، یہ عشق کا معرکہ ہے۔ یہ بیان نہیں، یہ دید ہے۔ یہ خبر نہیں، یہ کشف ہے۔ یہ روایت نہیں، یہ مشاہدہ ہے۔ یہ قصہ نہیں، یہ قیامت تک کے لیے زندہ معجزہ ہے۔

یہاں شاعر نہیں بول رہا، یہاں دل بول رہا ہے۔ یہاں عقل نہیں چل رہی، یہاں عشق رقص کر رہا ہے۔ یہاں زبان نہیں ہل رہی، یہاں روح محو تلاوت ہے۔ یہاں مصرع نہیں بنتے، یہاں ستارے ٹوٹ کر لفظوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ یہاں قافیہ نہیں جڑتا، یہاں فلک اپنے مدار بدل دیتا ہے۔ یہاں ردیف نہیں آتی، یہاں جبریل اپنی پرواز روک لیتے ہیں۔

یہ وہ مصرع ہے جس میں "سرور" بھی ہے اور "کشور" بھی۔ "بادشاہ" بھی ہے اور "سلطنت" بھی۔ "تاج" بھی ہے اور "تخت" بھی۔ لیکن یہ وہ بادشاہت ہے جو تخت کی محتاج نہیں، یہ وہ سلطنت ہے جو زمین کی سرحدوں میں قید نہیں۔ یہ وہ سرور ہے جو دلوں پر حکومت کرتا ہے اور یہ وہ کشور ہے جو روحوں کی مملکت ہے۔

"سرور کشور رسالت" کہنا گویا پوری کائنات کے نظام نبوت کو ایک ترکیب میں سمو دینا ہے۔ یہ وہ سرور ہیں جن کے در پر پیشانی نہیں جھکتی بلکہ کائنات کا دل جھکتا ہے۔ یہ وہ کشور ہیں جس کی فصیلیں نور سے بنی ہیں اور جس کے دروازے رحمت سے کھلتے ہیں۔

اور پھر "جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے"۔ کیا کہنے اس جلوے کے! یہ جلوہ نہیں، یہ تجلی ہے۔ یہ نمود نہیں، یہ شہود ہے۔ یہ روشنی نہیں، یہ نور ازل ہے۔ یہ ظہور نہیں، یہ حضور ہے۔ عرش وہ مقام ہے جہاں فرشتوں کے پر کانپ جاتے ہیں، جہاں عقل کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں، جہاں وہم کے پر جل جاتے ہیں۔ وہاں جلوہ گر ہونا، وہ بھی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ، یہ وہ مقام ہے جہاں لفظ اپنی حدیں بھول جاتے ہیں۔

یہ جلوہ کسی سایہ کا محتاج نہیں، یہ جلوہ کسی آئینہ کا محتاج نہیں، یہ جلوہ خود اپنی دلیل ہے، خود اپنی شہادت ہے، خود اپنی سند ہے۔

یہ وہ جلوہ ہے جس پر عرش کو فخر ہے اور فلک کو ناز ہے۔ یہ وہ جلوہ ہے جس کے سامنے سدرۃ المنتہٰی نے بھی نظریں جھکا لیں۔ یہ وہ جلوہ ہے جس کے قدموں کی چاپ سے جنت کی زمین نے خوشبو اوڑھ لی۔

اور پھر دوسرا مصرع: نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے: یہاں منظر بدلتا ہے، فضا بدلتی ہے، رنگ بدلتے ہیں، آہنگ بدلتا ہے۔ اب بات صرف عرش کی نہیں، اب بات استقبال کی ہے۔ اب بات مہمان نوازی کی ہے۔ اب بات وہ انتظامات ہیں جو اس مہمان کے لیے کیے گئے جو صرف عرب کا نہیں، بلکہ دونوں جہانوں کا مہمان ہے۔

"نئے نرالے"۔ کیا ترکیب ہے! یہ صرف جدت نہیں، یہ اعجاز ہے۔ یہ صرف انوکھا پن نہیں، یہ الوہیت کی مہربانی ہے۔ یہ صرف نزاکت نہیں، یہ ربانی صناعی ہے۔ یہ وہ سامان ہیں جو پہلے کبھی نہ دیکھے گئے، نہ سنے گئے، نہ سوچے گئے۔ یہ وہ انتظامات ہیں جو عقل کی بساط سے باہر ہیں اور تصور کی گرفت سے آزاد ہیں۔

"طرب کے ساماں" یہاں صرف خوشی نہیں، یہاں سرور ہے۔ یہاں مسرت نہیں، یہاں وجد ہے۔ یہاں انبساط نہیں، یہاں کیف ہے۔ یہ وہ طرب ہے جس میں دل دھڑکنے لگتے ہیں، روحیں مسکرانے لگتی ہیں اور آنکھیں بھیگنے لگتی ہیں۔ یہ وہ سامان ہیں جن میں نور کے جھرمٹ ہیں، رحمت کے ہالے ہیں اور محبت کے چراغ ہیں۔

اور پھر "عرب کے مہمان" کیا شان ہے اس مہمان کی! عرب کی سرزمین نے جسے اپنی گود میں کھلایا، جس کے قدموں سے اپنی قسمت بدلی، جس کے دم سے اپنے مقدر جگمگائے، آج وہی عرب کا مہمان ہے، مگر در حقیقت وہ رب کا محبوب ہے۔ یہ مہمان وہ ہے جس کے استقبال میں آسمانوں نے اپنے دروازے کھول دیے، جس کے لیے جنت نے اپنے پردے اٹھا دیے، جس کے لیے فردوس نے اپنے پھول بچھا دیے۔

یہاں امام احمد رضا خان صرف شاعر نہیں، یہاں وہ عاشق ہیں۔ یہاں وہ نعت گو نہیں، یہاں وہ غلام ہیں۔ یہاں وہ ادیب نہیں، یہاں وہ سائل ہیں۔ یہاں وہ عالم نہیں، یہاں وہ در کے فقیر ہیں۔ ان کے لفظوں میں علم کی روشنی ہے، مگر ان کے لہجے میں عشق کی حرارت ہے۔ ان کے بیان میں فن کی چمک ہے، مگر ان کے دل میں محبت کی آگ ہے۔

یہ شعر اپنی سلاست میں دریا ہے، اپنی روانی میں چشمہ ہے، اپنی فصاحت میں آفتاب ہے اور اپنی بلاغت میں ماہتاب ہے۔ اس کے الفاظ ایسے جڑے ہیں جیسے تسبیح کے دانے اور اس کے معنی ایسے کھلے ہیں جیسے بہار کی کلیاں۔ اس میں نہ تصنع ہے، نہ تکلف۔ نہ بناوٹ ہے، نہ نمائش۔ یہ وہ کلام ہے جو دل سے نکلتا ہے اور دل تک پہنچتا ہے۔

معانی کے آسمان پر یہ شعر ایک روشن ستارہ ہے۔ بیان کے افق پر یہ ایک چمکتا سورج ہے۔ بدیع کے باغ میں یہ ایک مہکتا پھول ہے۔ عروض کے میدان میں یہ ایک ہم قدم شہ سوار ہے۔ قافیہ ورد یف کی بزم میں یہ ایک باوقار مہمان ہے۔

اس شعر میں معراج کی پوری کہانی سمٹ آئی ہے۔ زمین سے آسمان تک کا سفر، مکہ سے بیت المقدس تک کی رات، براق کی رفتار، جبریل کی معیت، سدرہ کی حد، رف رف کی سواری، عرش کی قربت اور پھر رب سے وہ راز و نیاز جو کسی اور کو نصیب نہ ہوئے۔

یہ شعر ہمیں بتاتا ہے کہ معراج کوئی خواب نہیں تھا، یہ حقیقت تھی۔ یہ کوئی تمثیل نہیں تھی، یہ مشاہدہ تھا۔ یہ کوئی خیال نہیں تھا، یہ دید تھی۔ اور اس دید کے گواہ امام احمد رضا خان ہیں، جن کی آنکھیں عشق سے روشن تھیں اور جن کا دل محبت سے معمور تھا۔

یہ شعر ہمیں ادب سکھاتا ہے۔ یہ ہمیں سکھاتا ہے کہ رسول کا ذکر کیسے کیا جائے۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ محبوب کا نام کیسے لیا جائے۔ یہ ہمیں سمجھاتا ہے کہ نعت کیسے کہی جائے۔ یہ ہمیں دکھاتا ہے کہ عشق کو لفظوں میں کیسے ڈھالا جائے۔

یہ شعر اپنی صنفی بہاروں میں قصیدے کی شان رکھتا ہے۔ اس میں تمہید کی گھن گرج ہے، تشبیب کی لطافت ہے، مدح کی رفعت ہے اور دعا کی عاجزی ہے۔ یہ قصیدہ نہیں، یہ ایک روحانی سفر نامہ ہے۔ یہ نعت نہیں، یہ معراج کا آئینہ ہے۔

یہ شعر اپنی سودائی کیفیات میں دل کو سیر اب کرتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو پیاسے دلوں کے لیے آب کوثر ہے، جلتی روحوں کے لیے سایہ ہے، تھکے قدموں کے لیے سہارا ہے۔ یہ وہ بیان ہے جو زخموں پر مرہم رکھتا ہے اور آنسوؤں کو دعا بنا دیتا ہے۔

یہ شعر اپنی مفاہمت میں ہمیں آسمان سے جوڑتا ہے اور اپنے مطالب میں ہمیں عرش سے ملا دیتا ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم کس کے امتی ہیں، کس کے غلام ہیں، کس کے فقیر ہیں۔ یہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری پہچان کیا ہے، ہماری نسبت کیا ہے، ہماری پہچان کا چراغ کہاں سے جلتا ہے۔ اور اس سب کے بعد بھی یہ شعر اپنی بے نظیرانہ وقعت میں یکتا ہے۔ اس کا کوئی ثانی نہیں، اس کا کوئی بدل نہیں، اس کی کوئی مثال نہیں۔ یہ وہ کلام ہے جو امام احمد رضا کے دل سے نکلا اور قیامت تک کے لیے دلوں میں اتر گیا۔

یہ شعر ہمیں رُلا دیتا ہے۔ یہ ہمیں ہنسا دیتا ہے۔ یہ ہمیں جھکا دیتا ہے۔ یہ ہمیں اٹھا دیتا ہے۔ یہ ہمیں توڑ دیتا ہے۔ یہ ہمیں جوڑ دیتا ہے۔ یہ ہمیں مٹا دیتا ہے۔ یہ ہمیں بنا دیتا ہے۔

یہ وہ شعر ہے جسے پڑھ کر دل کہتا ہے: کاش ہم بھی اس قافلے میں ہوتے۔ کاش ہم بھی اس سفر کے ہم راہ ہوتے۔ کاش ہم بھی اس مہمان کے غلام ہوتے۔ کاش ہم بھی اس در کے فقیر ہوتے۔

اور آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شعر امام احمد رضا کی عظمت کی دلیل ہے، ان کے عشق کی سند ہے، ان کی محبت کی گواہی ہے اور ان کی نسبت کی پہچان ہے۔ یہ شعر رہتی دنیا تک معراج کی خوشبو پھیلاتا رہے گا اور عشاق کے دلوں کو مہکاتا رہے گا۔

یہی وہ شعر ہے جس کے سامنے ادب سر جھکاتا ہے اور جس کے قدموں میں سخن اپنا تاج رکھ دیتا ہے۔ یہ وہ کلام ہے جو زمانوں کو مسخر کرتا ہے، اور دلوں کو فتح کرتا ہے۔ یہ وہ نعت ہے جو صرف پڑھی نہیں جاتی، جانی جاتی ہے۔ صرف سنی نہیں جاتی، پی جاتی ہے۔ صرف لکھی نہیں جاتی، جئی جاتی ہے۔

سوشل میڈیا
پر رِیلز (Reels) بناتی لڑکیاں اور پامال ہوتی قدریں

از: مولانا غیاث الدین احمد عارفؔ مصباحیؔ، مدرسہ عربیہ سعد العلوم، مہراج گنج (یوپی)

متفرقات

آج کے ڈیجیٹل دور میں سستی شہرت کی ہوس نے اخلاقیات کے تمام پیمانے بدل کر رکھ دیے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق سوشل میڈیا کے اس دور میں ہر دوسرا شخص **"وائرل"** ہونے کی دوڑ میں شامل ہے، اور سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے غیر مسلم لڑکوں، لڑکیوں کے علاوہ کثیر تعداد میں مسلم لڑکے اور لڑکیاں بھی اس لاعلاج بیماری کے شکار ہو رہے ہیں، ان کی جانب سے سوشل میڈیا سائٹس پر **"رِیلز"** (Reels) بنا کر بے حیائی، بے شرمی اور بے باکی کی تمام حدیں پار کی جا رہی ہیں۔

اگرچہ اخلاق سُوز "رِیلز" بنانا کسی کے لیے بھی (خصوصاً مسلمانوں کے لیے) مناسب نہیں ہے مگر سر دست ہمارا روئے سخن صرف "رِیلز" کی دل دادہ مسلم لڑکیوں کی طرف ہے۔ ایک زمانہ تھا جب شرم و حیا کو عورت کا زیور سمجھا جاتا تھا، لیکن آج چند "لائکس" اور "ویوز" کے چکّر میں اس زیور کو سرِ عام نیلام کیا جا رہا ہے۔ کل تک قوم کی جو لڑکیاں شرم و حیا کا پیکر تھیں، آج کیمرے کے سامنے نیم برہنہ (بل کہ بعض اوقات تقریباً برہنہ) لباس پہن کر، گھٹیا گانوں پر تھرکتے ہوئے اور فحش اشارے کرتے ہوئے فخر محسوس کرتی ہیں۔ آج جب ہم سوشل میڈیا کی "نیوز فیڈ" سکرول کرتے ہیں، تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ کل تک جو ہماری بیٹیاں گھر کی دہلیز کا مان ہوا کرتی تھیں، آج وہ ایک سمارٹ فون کے لینز کے سامنے اپنی عصمت اور وقار کا جنازہ نکال رہی ہیں یعنی آج ہم اس معاشرے کی طرف انتہائی تیزی سے بڑھ رہے ہیں جہاں عزت اور وقار کی قیمت صرف چند فالوورز (Followers) کی جماعت رہ گئی ہے۔

حیرت تو یہ ہے کہ اب یہ سب کچھ بند کمروں تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ پارک، شاپنگ مالز، سڑکیں، ہر جگہ موبائل تھامے کچھ لڑکیاں اخلاقی حدیں پامال کرتی نظر آ ہی جاتی ہیں۔ کل تک جس لڑکی کا وقار اور کردار دیکھ کر سر فخر سے بلند ہو جاتا تھا، اسے

دیکھ کر اب نظریں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ کیا ایک مسلمان اور مشرقی معاشرے میں عورت کی پہچان یہی رہ گئی ہے کہ وہ سرِ عام اپنے جسم کی نمائش کرتی پھرے؟

واضح ہو کہ اس تمام تر بے حیائی کے پیچھے جہاں ان لڑکیوں کا اپنا ہاتھ ہے، وہیں ان کے والدین اور اہل خانہ کی خاموشی اور چشم پوشی بھی ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔

کیا والدین نہیں جانتے کہ ان کی بیٹیاں سکرین پر کیا کر رہی ہیں؟ کیا گھر کے مردوں کی غیرت اتنی سو گئی ہے کہ وہ اپنی بہن، بیٹی کو تماشہ بنتا دیکھ کر بھی خاموش ہیں؟ کیا صرف چند پیسوں اور شہرت کی خاطر اپنی اقدار کا سودا کرنا درست ہے؟ کیا ہم نے اپنی بیٹیوں کو اس لیے پڑھایا لکھایا ہے کہ وہ دنیا کے سامنے "ڈیجیٹل کھلونا" بن جائیں؟ کیا حیا کا دامن اتنا بوجھل ہو گیا ہے کہ اسے شہرت کی بھٹی میں جھونکنا ضروری ہو گیا ہے؟ افسوس ہے ان بھائیوں اور والدین پر جو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی عزت کو "وائرل" ہوتے دیکھتے ہیں اور اسے "ٹیکنالوجی کا دور" کہہ کر خاموش رہتے ہیں۔ **یاد رکھیے**، یہ ڈیجیٹل شہرت عارضی اور چند روزہ ہے، لیکن اس کے نتیجے میں معاشرے میں پھیلنے والی بے راہ روی اور اخلاقی پستی کے اثرات نسلوں تک باقی رہیں گے۔ آج ہم آزادی کے نام پر جس بے حیائی اور بے غیرتی کو گلے لگا رہے ہیں، وہ دراصل ہماری تہذیب کی موت ہے۔ اگر آج ہم نے اس طوفانِ بدتمیزی کو نہ روکا اور اپنی نئی نسل کو حیا اور شرافت کا سبق نہ سکھایا، تو آنے والا وقت ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔

عورت کی عظمت اس کی حیا میں ہے، اس کی نمائش میں نہیں۔

اور **اے رِیلز بناتی لڑکیو!** تم بھی ذرا غور سے سنو! تم جس سکرین پر خود کو سجا کر پیش کر رہی ہو، وہ سکرین ایک دن بجھ جائے گی، یہ لائکس مٹ جائیں گے اور فالوورز تمہیں بھول جائیں گے۔ لیکن جو داغ تم اپنی عزت اور اپنے خاندان کے نام پر لگا رہی ہو، وہ کبھی نہیں دھل سکے گا۔

بگوش ہوش سُن لو! تمہاری قیمت چند ویوز (Views) نہیں ہیں۔ تمہارا مقام سڑکوں پر ناچنا نہیں، بلکہ گھروں کو جنت بنانا ہے۔

تمہاری خوبصورتی تمہارے پردے اور تمہاری خودداری میں چھپی ہے، نمائش میں نہیں۔

خدارا! اس سے پہلے کہ تم کسی کی ہوس بھری نظروں کا مستقل شکار بن جاؤ یا قدرت کی لاٹھی حرکت میں آ جائے، پلٹ آؤ اور سچی توبہ کر کے اس لعنت بھری پُر خار وادی سے خود کو باہر نکال لو۔ کیوں کہ حیا کی پاکیزہ چادر تماشہ بننے سے کہیں زیادہ معتبر اور پر وقار ہے۔

پردے میں بے پردگی

اور ان سب سے حیرت ناک امر تو یہ ہے کہ اسلامی وقار کا پاکیزہ لباس برقعہ، جو عورت کو چھپانے اور اسے نامحرموں کی نظروں سے بچانے کے لیے تھا، آج اسی برقعے کو پہن کر رِیلز میں ٹھمکے لگائے جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہماری عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ

ایک لڑکی برقعہ پہنے، سر پر سکارف باندھے یا عبایا پہنے، کیمرے کے سامنے ایسے لٹکے جھٹکے دکھاتی ہے جنہیں دیکھ کر حیا بھی شرم سے منہ چھپانے پر مجبور ہو جائے۔ کیا یہ پردے اور اسلامی تہذیب و ثقافت کا کُھلا ہوا مذاق نہیں ہے؟۔ یقیناً یہ **عملِ بد شعائرِ اسلام کی توہین** ہے۔

یاد رکھو کہ جب ایک لڑکی برقعے میں غیر اخلاقی حرکات کرتی ہے، تو وہ عام لڑکیوں سے زیادہ دشمنان اسلام کی توجہ کا مرکز ہوتی ہے، اور ایسے ویڈیوز اور رِیلز کو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اسلام کو بدنام کرنے کی نیت سے شیئر کیا جاتا ہے۔ اسے دیکھ کر غیر مسلم اور دین سے دور لوگ نہ صرف پردے کے تقدس کا بلکہ شریعت اسلامی کا مذاق اڑاتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ حجاب اور برقعہ ایسی لڑکیوں کے لیے اب حیا کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک **"اسٹائل سٹیٹمنٹ"** بن چکا ہے۔ وہ اسے صرف اس لیے استعمال کرتی ہیں تاکہ اپنا چہرہ چھپا کر یا نقاب لگا کر وہ سب کچھ کر سکیں جو وہ عام زندگی میں کرنے کی جرات نہیں کرتیں، تاکہ پہچانی نہ جائیں۔

ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اس فتنے کو روکنے کے لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ کیوں کہ بے حیائی کی یہ آگ بڑی خاموشی سے ہماری ثقافتی اقدار کو جلا کر راکھ کر رہی ہے، اس کے لیے ہمیں درج ذیل اقدامات کرنے کی اشد ضرورت ہے:۔

سب سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس کی شروعات ہم اپنے گھر سے کریں اگر ہمارے گھر کوئی فرد ایسا کرنے کا عادی ہے تو سب سے پہلے اسے روکنے کی کوشش کریں۔ ظاہر سی بات ہے ہم کسی کے والدین یا بھائی یا شوہر ہیں تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری بیٹیاں یا بہنیں یا بیویاں سوشل میڈیا پر کیا اپلوڈ کر رہی ہیں۔ اگر وہ نامناسب اور غیر اخلاقی ویڈیوز کی شکل میں ہیں تو ان کو ان سے روکنا ہماری اولین ذمہ داری ہے۔

ہمیں اپنے بچوں / بچیوں کو یہ سکھانا ضروری ہے کہ بے شرمی کے ساتھ "وائرل ہونا" یا "لائکس حاصل کرنا" کامیابی کا معیار نہیں بلکہ عزت، وقار اور اسلامی اصولوں پر کاربند رہنا ہمارا اصل سرمایہ ہے۔

مساجد کے منبروں اور سوشل میڈیا کے بااثر افراد کو اس بے حیائی کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ انہیں بتانا چاہیے کہ یہ ہماری تہذیب و ثقافت کے خلاف ہے۔

ہمیں اپنے تعلیمی اداروں میں طلبہ و طالبات کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ وہ اگر سوشل میڈیا کا استعمال کرتے بھی ہیں تو کس طرح اور کس قدر کریں اور کیا انداز اپنائیں کہ جس سے ان کے دل کی خواہش بھی مٹ جائے اور امت اسلامیہ کی بدنامی کا باعث بھی نہ بنے۔

یہ بات بھی درست ہے کہ لاکھ چاہ کر بھی ہم انٹرنیٹ سے ایسے فحش مواد سو فیصد ختم نہیں کر سکتے، لیکن اگر ہم میں سے اکثر لوگ چاہ لیں تو اپنے کردار و عمل سے **"بے حیائی کی مارکیٹ ویلیو"** گرا سکتے ہیں۔ اس کی آسان صورت یہ ہے کہ ہم سوشل میڈیا پر ایسی ویڈیوز کو نظر انداز کریں کیوں اس کی سب سے بڑی سزا **"نظر انداز کرنا"** ہے۔ جب ہم ایسی ریلز پر تنقیدی کمنٹس کرتے ہیں یا غصے میں انہیں دوسروں کو بھیجتے ہیں، تو سوشل میڈیائی انجن اسے مزید ہزاروں لوگوں کو دکھاتا ہے جن سے ایسے لوگوں کو مزید فائدہ مل جاتا اور ان کا وائرل ہونے کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب بھی ایسی کوئی ویڈیو سامنے آئے، اسے فوراً رپورٹ کریں۔ اگر ایک ویڈیو کو سینکڑوں لوگ رپورٹ کریں گے، تو ایپ کو اسے ڈیلیٹ کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یعنی جب آپ ایسی حرکتوں کو تفریح سمجھنے کے بجائے ناپسندیدہ قرار دیں گے، تو ایسا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ جب ان لوگوں کو لائکس اور واہ واہ کے بجائے خاموشی اور بیزاری کا سامنا کرنا پڑے گا، تو یہ سلسلہ آہستہ آہستہ ختم ہو گا۔

یاد رکھیے: برائی کو ہاتھ سے روکنا سب سے افضل ہے، پھر زبان سے، اور کم از کم دل میں اسے برا جاننا ایمان کا لازمی جزو ہے۔ ہم اپنی حد تک کوشش کریں گے تو ہی اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆



از: محمد فداء المصطفیٰ قادری، دارالہدیٰ اسلامک یونیورسٹی، کیرالا

عیدالاضحیٰ: سنتِ ابراہیمی اور ہمارا طرزِ عمل

عید الاضحیٰ محض ایک تہوار یا رسمی عبادت کا نام نہیں، بلکہ یہ بندۂ مؤمن کے ایمان، وفاداری اور جذبۂ ایثار کا وہ روشن مینار ہے جس کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بے مثال اطاعت پر قائم ہے۔ یہی وہ مقدس یادگار ہے جو ہر سال امتِ مسلمہ کو یہ سبق دیتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سامنے اپنی خواہشات، محبتوں اور مفادات کو قربان کر دینا ہی بندگی کا حقیقی مفہوم ہے۔ قربانی دراصل انسان کے ظاہر سے زیادہ اس کے باطن کا امتحان ہے، جہاں اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کو پرکھا جاتا ہے۔

افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ اس عظیم عبادت کی روح دھیرے دھیرے ماند پڑتی جا رہی ہے۔ جو قربانی کبھی عاجزی، سادگی اور خدا خوفی کی علامت تھی، آج کئی مقامات پر نمود و نمائش، فخر و مباہات اور رسم و رواج کے دبیز پردوں میں چھپتی دکھائی دیتی ہے۔ عبادت کا جوہر اخلاص ہے، لیکن جب نیتوں میں کھوٹ آ جائے تو بڑے سے بڑا عمل بھی بے وزن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قربانی کے ظاہری مظاہر سے آگے بڑھ کر اس کے حقیقی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

عید الاضحیٰ کے مبارک ایام میں دنیا بھر کے مسلمان سنتِ ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک نہایت مبارک اور سعادت بھرا عمل ہے، جس میں لاکھوں مسلمان شریک ہو کر اپنی محبتِ الٰہی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی عبادت کی قبولیت کا دار و مدار صرف اس کے ظاہری حسن پر نہیں بلکہ نیت کے اخلاص پر ہوتا ہے۔ اگر دل ریاکاری سے آلودہ ہو تو عبادت کا نور ماند پڑ جاتا ہے۔ قربانی بھی انہی اعمال میں سے ہے جس میں نیت کی پاکیزگی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

آج کے دور میں ایک عجیب روش پروان چڑھتی جارہی ہے کہ لوگ قربانی کو عبادت سے زیادہ اپنی حیثیت اور دولت کی نمائش کا ذریعہ بنا بیٹھے ہیں۔ مہنگے ترین جانور خریدنا، ان کی قیمتوں کے چرچے کرنا، اور لوگوں کے درمیان اپنی شان و شوکت کا سکہ جمانا گویا ایک فیشن بنتا جارہا ہے۔ بعض افراد ایک ایک جانور پر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں، لیکن اس کے پسِ پشت اخلاص کم اور شہرت کی خواہش زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ عبادت جب دکھاوے کی نذر ہو جائے تو اس کی روح پر زنگ لگ جاتا ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ قربانی کے نام پر اس قدر اسراف اور تکلف آخر کیوں؟ خصوصاً جب یہی لوگ زکاۃ، صدقات اور دیگر مالی حقوق کی ادائیگی میں سستی اور بے توجہی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات مہنگے جانور خریدنے کے پیچھے اللہ کی رضا سے زیادہ لوگوں کی واہ واہ مقصود ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قربانی سے پہلے جانوروں کی تشہیر، ان کی نمائش، بازاروں میں جلوس کی مانند گھمانا اور پھر سوشل میڈیا پر تصاویر اور ویڈیوز کی بھرمار عام ہو چکی ہے۔ گویا عبادت کم اور نمائش زیادہ رہ گئی ہے۔

اگر ان لوگوں کو یہ مشورہ دیا جائے کہ سادہ جانور خرید کر باقی رقم کسی غریب، یتیم یا ضرورت مند کی مدد پر خرچ کر دیں تو اکثر طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ حالانکہ اخلاص کے ساتھ کسی محتاج کے چہرے پر مسکراہٹ لانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب عمل ہے۔ مگر افسوس کہ جہاں نفس کی خواہشات غالب آجائیں وہاں ایثار کا جذبہ کمزور پڑ جاتا ہے۔ حالانکہ دینِ اسلام صرف رسموں کا نہیں بلکہ احساسِ انسانیت اور خیر خواہی کا مذہب ہے۔

بعض افراد قربانی کو محض گوشت حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ بیٹھتے ہیں۔ بڑے اور بھاری جانور اسی نیت سے خریدے جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ گوشت حاصل ہو سکے، حالانکہ وہی لوگ بعض اوقات قرض کی ادائیگی، زکاۃ کی ادائیگی اور دیگر واجبات میں غفلت برتتے ہیں۔ اس رویّے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ قربانی کی اصل روح کہیں پسِ پشت چلی گئی ہے اور ذاتی منفعت کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے۔ حالانکہ قربانی کا اصل پیغام اپنی خواہشات پر چھری پھیرنا ہے، نہ کہ صرف دسترخوان سجانا۔ اسی ذہنیت کے تحت بعض لوگ قربانی کا بیشتر گوشت خود ہی سنبھال کر رکھتے ہیں اور غریبوں کو معمولی حصہ دے کر اپنی ذمہ داری پوری سمجھ لیتے ہیں۔ اگرچہ شریعت نے قربانی کا گوشت کھانے اور محفوظ رکھنے کی اجازت دی ہے، لیکن قربانی کو صرف شکم پروری تک محدود کر دینا اس عبادت کے مقصد سے ناواقفیت کی علامت ہے۔ قربانی دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت، تقویٰ اور بندگی کے جذبے کو زندہ کرنے کا نام ہے۔

قرآنِ مجید نے قربانی کی حقیقت کو نہایت واضح انداز میں بیان فرمایا ہے:

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوۡمُہَا وَلَا دِمَآؤُہَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُہُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ (1)

یعنی اللہ تعالیٰ تک نہ جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اس کے حضور بندے کا تقویٰ اور اخلاص پہنچتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں قربانی کی پوری روح سمٹ کر آگئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری نمود کو نہیں بلکہ دلوں کے حال کو دیکھتا ہے۔ اس کے نزدیک جانور کی قیمت نہیں بلکہ نیت کی قیمت ہے۔ لہٰذا ہر صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ قربانی کے موقع پر اپنی نیتوں کا محاسبہ کرے اور اس عبادت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے۔ قربانی ایسی ہو جس میں عاجزی ہو، انکساری ہو، تقویٰ ہو اور خدا ترسی ہو۔ اگر ایک غریب شخص اخلاص کے ساتھ معمولی قربانی پیش کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص سے کہیں زیادہ مقبول ہو سکتی ہے جو لاکھوں خرچ کر کے بھی ریاکاری میں مبتلا ہو۔

اگر مسلمان قربانی کی اصل روح کو سمجھ لیں تو یہی عبادت ان کے اندر ایثار، ہمدردی، قربانی اور دین کے لیے جان و مال لٹانے کا جذبہ بیدار کر سکتی ہے۔ یہی جذبہ انسان کو خود غرضی سے نکال کر انسانیت کی خدمت کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ قربانی کا پیغام صرف جانور ذبح کرنا نہیں بلکہ اپنے نفس، غرور، لالچ اور دنیا پرستی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع کرنا ہے۔ حقیقی کامیابی یہی ہے کہ قربانی ہمارے دلوں کو بدل دے، ہماری سوچ کو پاکیزہ بنا دے، اور ہمارے اندر اخلاص و تقویٰ کی شمع روشن کر دے۔ اگر اس عبادت کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جائے اور اس کی زندگی میں بندگی کا رنگ نمایاں ہو جائے تو سمجھنا چاہیے کہ قربانی اپنی اصل روح کے ساتھ ادا ہوئی ہے۔

اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قربانی کی حقیقی روح کو سمجھنے، اخلاص و تقویٰ کے ساتھ اس عظیم عبادت کو ادا کرنے، اور ریاکاری و نمود و نمائش سے اپنے دامن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین۔

حوالہ

(1)سورۃ الحج:37



بیٹے کے حق میں ماں کی دعا

بیٹا چلا عمرہ کے لیے!!

از: جاوید اختر بھارتی (سابق سکریٹری یوپی بنکر یونین) محمد آباد گوہنہ ضلع مئو یوپی

خوش نصیب ہے وہ انسان جن کے والدین باحیات ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوش نصیب انسان وہ ہے جو اپنے والدین کی خوب خدمت کرتا ہے کیونکہ اسلام کے اندر دو طرح کے حقوق ہیں ایک کا نام حقوق اللہ ہے تو دوسرے کا نام حقوق العباد ہے، یاد رکھیں کہ حقوق اللہ میں کوتاہی ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے معاف کر سکتا ہے لیکن حقوق العباد میں کوتاہی ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ بندہ خود معاف نہ کرے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے اور جہاں حقوق العباد کا ذکر کیا ہے تو اس میں سب سے پہلے والدین کی خدمات کو ترجیح دی گئی ہے۔ والدین کی بیٹے کے حق میں کی جانے والی دعا بڑی موثر ہوتی ہے والدین کا مقام و مرتبہ کیا ہے قرآن میں بھی ملتا ہے اور احادیث کی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ ساتھ ہی بہت سارے بزرگان دین کے واقعات بھی ملیں گے جنہوں نے اپنے ماں باپ کی بے حد خدمت کی ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے ماں باپ کی خدمت کریں، ان کو کسی طرح کی تکلیف پہنچانے کا تصور میں بھی خیال نہ لائیں، لیکن آج کے دور میں بڑا افسوس ہوتا ہے کہ والدین اور اولاد کے درمیان اکثر دوریاں دیکھنے کو ملتی ہیں، سوشل میڈیا پر تو ماں باپ کی خدمت کرتے ہوئے خوب پرچار کیا جاتا ہے لیکن سچائی یہ ہے کہ یہ خدمات اللہ کی رضا کے لیے نہیں بلکہ سبسکرائبر اور فالور بڑھانے کے لیے کیا جاتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر آج بڑی تعداد میں والدین کو گھروں سے نکالا نہیں جاتا اور ہاسٹلوں میں بھیجا نہیں جاتا بلکہ اپنے گھر پر رکھ کر انہیں خوش کیا جاتا، ان کی خدمت کیا جاتا، ان کی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا جاتا اور ان سے دعائیں لی جاتی نتیجہ یہ ہوتا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بھی خوش ہوتا اور بندہ قدم قدم پر کامیابیاں حاصل کرتا۔

زید کے ہوٹل پر ایک بوڑھی عورت ہاتھوں میں خشک روٹی لے کر آتی ہے اور تندور پر موجود بکر نامی ملازم سے کہتی ہے اس روٹی کو ذرا گرم کر دو، تندور پر کام کرنے والا بکر کہتا ہے کہ ہوٹل مالک سے اجازت لینا ضروری ہے، آپ کاؤنٹر پر جائیے۔ ہوٹل

مالک سے اجازت لیجئے۔ وہ اگر روٹی گرم کرنے کی اجازت دے دیں گے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔ میں خوشی خوشی آپ کی روٹی گرم کر دوں گا۔

بوڑھی عورت کاؤنٹر پر جاتی ہے۔ ہوٹل کے مالک سے کہتی ہے کہ مجھے اس روٹی کو گرم کروانا ہے، آپ اگر اجازت دے دیں تو آپ کا ملازم روٹی کو گرم کر دے گا اور میں اسے کھا کر اپنا پیٹ بھر لوں گی۔ ہوٹل مالک نے بکر کو آواز دی۔ اس ماں کی روٹی گرم کر دو تو بکر نے روٹی کو گرم کر کے بوڑھی عورت کے ہاتھوں میں دے دیا۔

اب بوڑھی عورت ہاتھ میں روٹی لے کر دوبارہ کاؤنٹر پر جاتی ہے اور ہوٹل مالک کا شکریہ ادا کرتی ہے۔ ہوٹل مالک پوچھتا ہے کہ ماں جی تمہارے پاس تو صرف روٹی ہے، آخر اس روٹی کو کیسے کھاؤ گی؟ روٹی کھانے کے لیے تو سبزی یا سالن کا ہونا ضروری ہے۔ تو بوڑھی عورت نے کہا کہ میرے پاس پیاز ہے میں اس پیاز سے روٹی کھالوں گی۔ جب یہ بات سنی تو ہوٹل مالک نے کہا کہ نہیں ماں جی آخر پیاز سے بھی کوئی روٹی کھاتا ہے۔ آپ ٹیبل پر بیٹھیے میں آپ کے لیے سبزی اور سالن لگوا دیتا ہوں۔ آپ بھر پیٹ کھالیں۔ تو وہ عورت کہتی ہے کہ نہیں ایک دن سبزی اور سالن کھا کر کیا کروں گی جب کہ روزانہ مجھے روٹی اور پیاز ہی کھانی ہے ۔جب یہ بات سنی تو ہوٹل مالک کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ کھڑا ہو گیا۔ پوچھتا ہے اور کہتا ہے کہ بھلا کوئی سوکھی روٹی بھی کھاتا ہے؟ماں جی! مجھ سے سوکھی روٹی کھانے کا اور پیاز روٹی کھانے کا ماجرا کیا ہے یہ بتایئے۔

بوڑھی عورت کہتی ہے کہ بیٹا میری کہانی بڑی عجیب ہے۔ ہمارا بھی ایک اچھا خاصا کنبہ تھا، مکان تھا، لیکن شوہر کا اچانک انتقال ہو گیا، میری دنیا اجڑ گئی، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ایک بیٹا تھا جسے میں نے پال پوس کر بڑا کیا، پڑھا لکھا کر اس کو کسی قابل بنایا اور وہ سروس بھی کرنے لگا،، لیکن اس کی سوچ بدلتی گئی اور اپنے آپ کو بہت اونچے لیبل کا انسان سمجھنے لگا۔ اس نے اپنی مرضی سے شادی بھی کی لیکن میں نے اس کی مخالفت نہیں کی کیونکہ اس کی خوشی میں میں اپنی خوشی سمجھتی تھی لیکن شادی کے بعد اس نے صرف اپنی بیوی کی باتوں کو ترجیح دی اور مجھے نظر انداز کرنے لگا۔ میری باتوں کو ان سونی کرنے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی بیوی کا مزاج دن بہ دن گھٹیا ہو تا گیا اور وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی۔ ایک دن ایسا بھی آیا کہ اس کی بیوی کہتی ہے کہ اس گھر میں یا تو میں اور آپ یعنی ہم دونوں رہیں گے یا کہ پھر آپ کی ماں رہے گی۔ میں آپ کی ماں کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔ اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ اس گھر میں کون رہے گا،، بیوی کی باتوں کو سن کر اس نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ میں اب در در کی ٹھوکر کھا رہی ہوں۔ میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ میں اپنا پیٹ بھرنے کے لیے آٹا، چاول، دال، سبزی اور سالن کا انتظام کروں۔ ایک طویل عرصے سے میں پیاز روٹی سے اپنا گزارا کر رہی ہوں۔ اس عورت کی باتوں کو سن کر ہوٹل مالک رو پڑا اور کہتا ہے کہ بس اب تک جو ہوا ہوا لیکن آگے سے آپ کو پیاز روٹی نہیں کھانا ہے کیونکہ آپ کو بیٹے کی ضرورت ہے اور مجھے ایک ماں کی ضرورت ہے۔ میری ماں کا ایک عرصہ ہوا انتقال ہو گیا۔ میرے پاس سب کچھ ہے لیکن ایک ماں نہیں ہے۔ اس لیے آپ سے میری درخواست ہے کہ آج سے مجھے اپنا بیٹا سمجھیں اور میں آپ کو اپنی ماں سمجھوں گا اور آج سے آپ کو میرے ہی گھر میرے ساتھ رہنا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد اپنے ہوٹل کے ایک ملازم سے کہتا ہے کہ انہیں میرے گھر پہنچا دو۔ آج سے یہ میرے گھر میں رہیں گی اور آج سے یہی میری ماں ہیں ۔

ایک خوشحال گھرانہ تھا، گھر میں بڑی رونق رہا کرتی تھی باپ، بیٹے، بیٹیاں اور ماں اکثر و بیشتر بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے ۔ایک دن باتوں ہی باتوں میں کچھ فرق پڑ گیا اور بیٹا ناراض ہو گیا اور گھر چھوڑ کر کہیں دور چلا گیا اور کئی سالوں تک باہر ہی رہا،، گھر سے کوئی خط و کتابت نہیں، کوئی رابطہ نہیں۔ آخر کار ایک دن گھر کا خیال آ ہی گیا اور ماں باپ سے ملنے کی خاطر گھر کے لیے چل دیا۔ ابھی اپنے شہر پہنچا ہی تھا کہ خبر ملی کہ ابھی کچھ ہی دن قبل ماں باپ دونوں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ملک عدم کو راہی ہو گئے۔ بیٹا سر پکڑ کر تو کبھی سینے پر ہاتھ رکھ کر روتا ہے اور اسی حالت میں قبرستان پہنچتا ہے۔

ماں کی قبر کے پاس کھڑا ہو کر آنکھوں سے آنسو بہاتا ہے۔ کبھی سر پر تو کبھی سینے پر تو کبھی قبر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ اے ماں! تیرا بیٹا کتنا کم نصیب ہے جو معمولی سی بات پر گھر چھوڑ کر چلا گیا اور میری ماں تو دنیا ہی چھوڑ کر چلی گئی، اب مجھے تسلی دینے والا کوئی نہیں، میرا آنسو پوچھنے والا کوئی نہیں، اب کبھی میرے سر پر مصیبت پڑے گی تو تسلی کون دے گا، میرے اوپر رنج والم کے پہاڑ ٹوٹیں گے تو سر پر ہاتھ کون رکھے گا چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ آئے ماں مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری ناراضگی کی مجھے اتنی بڑی سزا ملے گی،، کاش آج تو زندہ ہوتی تو میں اپنی غلطی کی معافی مانگتا دوبارہ کبھی تجھ سے دور نہیں جاتا، میری تو دنیا اجڑ گئی ائے ماں مجھے نہیں معلوم کہ تو مجھ سے خوش ہو کر دنیا سے رخصت ہوئی ہے یا ناراض ہو کر کاش مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ میری ماں مجھ سے ناراض نہیں ہے تو میں سمجھتا کہ مجھے دنیا کی سب سے بڑی دولت حاصل ہو گئی،، اتنے میں پیچھے سے ایک شخص کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے کہ اے نوجوان! تیری ماں بارہا کہا کرتی تھی کہ میں اپنے بیٹے سے بہت خوش ہوں، مجھے اپنے بیٹے سے کوئی شکایت نہیں، کوئی ناراضگی نہیں، کاش میرا بیٹا لوٹ آتا تو یہ بات میں اسے گلے لگا کر خود کہتی۔ بس میرا بیٹا جہاں بھی ہو اللہ اسے خوش رکھے اور سلامت رکھے۔ ایسی ہوتی ہے ماں کی محبت۔

دنیا میں گنی چونی ایسی مائیں ہونگی جو اپنی اولاد سے محبت نہیں کرتی ورنہ اپنی اولاد کے لیے ماں کا دل کیسا ہوتا ہے اس کی ایک مثال تحریر کرنا انتہائی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک بیٹا جو ماں کے ساتھ رہتا ہے ماں اپنے بیٹے سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور بیٹا بھی اپنی ماں کو بہت چاہتا ہے اور اس کی خوب خدمت کرتا ہے لیکن ایک لڑکی اس سے فریبی محبت کرتی ہے اور یہ شرط لگاتی ہے کہ تم اپنی ماں کا کلیجہ میری خدمت میں پیش کرو گے تو میں سمجھوں گی کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو اور پھر میں بھی ہمیشہ کے لیے تمہاری ہو جاؤں گی بیٹے کے ذہن میں یہ بات گردش کرنے لگی اور آہستہ آہستہ اس کے قدم بہکنے لگے۔ آخر وہ دن بھی آتا ہے کہ ہاتھوں میں چاقو اور تھالی لے کر رات کے اندھیرے میں ماں کے پاس پہنچتا ہے اور ماں کا کلیجہ نکال کر تھالی میں رکھ کر بڑی تیزی کے ساتھ عورت کے پاس پہنچنے کے لیے دوڑ لگاتا ہے۔ راستے میں ٹھوکر لگتی ہے تو وہ گر جاتا ہے۔ تھالی ہاتھوں سے چھوٹ جاتی ہے اور کلیجہ کہیں اور جھٹک کر گرتا ہے۔ بڑی تیزی کے ساتھ اٹھنے کی کوشش میں پھر گر جاتا ہے۔ اس سے گھٹنا چھل جاتا ہے اور بھی جسم کے مختلف حصوں میں چوٹ آتی ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ اٹھتا ہے تو ایک ہاتھ سے تھالی اٹھاتا ہے اور جلدی

سے پہنچ کر کلیجے کو دوسرے ہاتھ سے اٹھا کر تھالی میں رکھتا ہے۔ اس وقت کلیجے سے آواز آتی ہے کہ اے بیٹا! تجھے کہیں چوٹ تو نہیں آئی،، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک ماں اپنے بیٹے سے کتنی محبت کرتی ہے۔

ایک ماں کے دو بیٹے اور دونوں بزنس مین لیکن چھوٹے بیٹے کا بزنس بڑے پیمانے کا اور بڑے بیٹے کا بزنس اوسط درجہ کا دونوں پورا دن گھر سے باہر رہتے اور شام کو گھر واپس آتے ۔ معمول کے مطابق ایک دن صبح صبح نہانے دھونے کے بعد دونوں بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد اپنی اپنی منزل کے لئے دونوں روانہ ہونے کے لئے جیسے ہی کھڑے ہوتے ہیں تو ماں بستر پر لیٹی ہوئی آواز دیتی ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ذرا میرا پاؤں دبا دے میرے پاؤں میں کافی تکلیف ہے۔ چھوٹا بیٹا کہتا ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے میں خود ہی لیٹ ہو چکا ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو مجھے آواز نہ دیا کرو میری ماں مجھے بہت برا لگتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔

بڑا بیٹا دروازے تک جا کر واپس آتا ہے اور ماں کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہے اور پاؤں دبانے لگتا ہے۔ کچھ دیر بعد ماں کہتی ہے بیٹا جا ورنہ دیر ہو جائے گی لیکن جانے سے پہلے بتا تیری دلی خواہش کیا ہے بیٹا کہتا ہے ماں: اللہ کا دیا سب کچھ ہے بس ایک ہی خواہش ہے کہ میں عمرہ کرلوں اور وہ بھی ماں تیرے ساتھ۔ اے میری پیاری ماں تو دعا کرے گی تو یہ خواہش بھی ضرور پوری ہو جائے گی۔ ایک دن چھوٹا بیٹا گھر بیٹھا گہری سوچ فکر میں ڈوبا ہوا تھا کہ بڑا بیٹا گھر میں داخل ہوتا ہے اور دروازے پر کھڑے ہو کر سلام کرتا ہے پھر ماں کے قدموں میں جا کر بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ماں اللہ تبارک وتعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور آپ کی دعاؤں کا اثر یہ ہوا کہ عمرہ کا ویزا اور ٹکٹ تاریخ سب فائنل ہو گیا۔ یہ سنتے ہی ماں کا چہرہ خوشیوں سے کھل اٹھا۔ ادھر چھوٹا بیٹا کہتا ہے کہ میں ایک مہینے سے دوڑ رہا ہوں ابھی تک نہ میرا ویزا لگا، نہ ٹکٹ کنفرم ہوا اور تمہارے پاس تو پیسہ بھی نہیں تھا اور کبھی ذکر بھی نہیں کیا پھر کیسے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔

بڑا بیٹا کہتا ہے کہ تم نے دوست احباب سے ذکر کیا، رشتہ داروں سے ذکر کیا، بڑی بڑی کمپنیوں کے مالکان سے ذکر کیا لیکن کبھی ماں سے ذکر نہیں کیا جبکہ میں نے کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اور صرف ماں سے ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی اور مجھے یہ سعادت نصیب ہوئی یہ صرف میری ماں کی دعاؤں کی دین ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایک بیٹا اپنی ماں کی خدمت میں پوری زندگی ختم کر دے اور ان خدمات میں بڑا سے بڑا کام کر دے یہاں تک کہ اپنے کندھے پر بٹھا کر اسے طواف تک بھی کرا دے تو بھی وہ ماں کا حق ادا نہیں کر سکتا یہاں تک کہ ماں کے لئے بیٹا چاہے جو کچھ بھی کر دے لیکن جب وہ چھوٹا تھا تو بستر پر پیشاب کر دیا کرتا تھا تو ماں اس بستر کو موڑ کر خشک حصے پر بیٹے کو سلا دیتی تھی اور خود بغیر بستر کے سو جایا کرتی تھی اس کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا حتیٰ کہ بیٹے کی ولادت کے وقت تکلیف کے باعث ماں کے منہ سے جو آہ نکلی اس کا بھی حق ادا نہیں ہو سکتا ۔

دین وملت کی سربلندی میں خواتین کا کردار



از: سید اسامہ ہدوی، شمس العلوم، منگلور کرناٹک

گوشۂ خواتین

باسمہ تعالیٰ

اسلام سے پہلے دنیا نے جتنی بھی ترقی کی ہے اس میں مرد کا حصہ عورت سے زیادہ رہا کیونکہ اس دورِ جہالت (DARK AGES) میں عورت کو کوئی مقام حاصل نہ تھا لیکن اسلام کی تشریف آوری سے عورت کو بیٹی، بیوی اور بہن کے روپ میں عزت اور اعلیٰ مقام حاصل ہوا اور وسائل ترقی میں دونوں صنفوں کی کوششوں کو شامل کیا۔ اسلام نے جو عزت اور مقام عورت کو عطا کیا ہے اُس کی مثال نہ تو قومی تاریخ میں ملتی ہے اور نہ ہی دنیا کی مذہبی تاریخ میں۔ اسلام نے صرف عورت کے حقوق ہی نہیں مقرر کئے بلکہ ان کو مردوں کے برابر درجہ دے کر مکمل انسانیت قرار دیا ہے۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

حقیقت یہ ہے کہ عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر روپ میں قدرت کا قیمتی تحفہ ہے جس کے بغیر کائناتِ انسانی کی ہر شے پھیکی اور ماند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو اس کا محافظ اور سائبان بنایا ہے۔ عورت اپنی ذات میں ایک تناور درخت کی مانند ہے جو ہر قسم کے سرد و گرم حالات کا دلیری سے مقابلہ کرتی ہے۔ اسی عزم وہمت، حوصلہ اور استقامت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو اس کے قدموں تلے بچھا دیا۔ حضرت حوا علیہا السلام سے اسلام کے ظہور تک کئی نامور خواتین کا ذکر قرآن و حدیث اور تاریخ اسلامی میں موجود ہے جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ازواج حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ، فرعون کی بیوی آسیہ، حضرت ام موسیٰ یوحانز، حضرت مریم، ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، ام المومنین حضرت ام

سلمہ، سیدہ کائنات حضرت فاطمہ، حضرت سمیہ اور دیگر کئی خواتین ہیں جن کے کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔

انہیں کے ساز سے ہے زندگی میں سوز دروں

تاریخ اسلام خواتین کی قربانیوں اور خدمات کا ذکر کئے بغیر نامکمل رہتی ہے۔ اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مردوں کے ساتھ عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مسلم خواتین کا جو کردار رہا وہ آج ساری دنیا کی خواتین کے لئے ایک واضح سبق بھی ہے۔ اسلام کو سب سے پہلے قبول کرنے کی سعادت حاصل کرنیوالی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رازدار، ہمسفر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذات گرامی ہے۔ حضرت خدیجہ نے نہ صرف سب سے پہلے اسلام قبول کیا بلکہ سب سے پہلے عمل کیا اور اپنی پوری زندگی جان ومال سب کچھ دین اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ حضرت خدیجہ نے 3 سال شعب ابی طالب میں محصور رہ کر تکالیف اور مصائب برداشت کئے اور جب 3 سال کے بعد مقاطعہ ختم ہوا تو آپ اس قدر بیمار اور کمزور ہو گئیں کہ اسی بیماری کے عالم میں خالق حقیقی سے جاملیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں ایک ایسی خاتون بھی ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان سے صحابیات تو درکنار صحابہ کرام نے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ وہ خوش نصیب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ حضرت عائشہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج میں منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا اپنے ہم عصر صحابہ کرام اور صحابیاتِ عظام میں سب سے زیادہ ذہین تھیں۔ اسی ذہانت و فطانت اور وسعتِ علمی کی بنیاد پر منفرد مقام رکھتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرا آدھا دین عائشہ کی وجہ سے محفوظ ہو گا۔ 8 ہزار صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین حضرت عائشہ صدیقہ کے شاگرد ہیں۔

خاتون جنت، سردارانِ جنت کی ماں اور دونوں عالم کے سردار کی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی بھی بے مثال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہ ایک عظیم اور ہمہ گیر کردار کی مالکہ تھیں جو ایک بیٹی کے روپ میں، ایک ماں کی شکل میں اور ایک بیوی کے کردار میں قیامت تک آنے والی خواتین کے لیے نمونہ حیات ہیں۔ جنہوں نے اپنے عظیم باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا حق ادا کرتے ہوئے بچپن میں سرداران قریش کے ظلم و ستم کا بڑی جرات مندی، شجاعت، ہمت اور متانت سے سامنا کیا۔ حضرت فاطمہ چھوٹی تھیں۔ ایک دن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحن کعبہ میں عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ابو جہل کے اشارہ پر عقبہ بن ابی معیط نے مذبوحہ اونٹ کی اوجھڑی کو سجدہ کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن پر رکھ دیا، حضرت فاطمہ دوڑتی ہوئی پہنچیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذیت وتکلیف کو دور کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ نہایت بہادر اور نڈر خاتون تھیں۔ آپ دوران جنگ بے خوف وخطر زخمیوں کو میدان جنگ سے باہر لاتیں اور ان کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ انہوں نے غزوہ خندق کے موقع پر نہایت بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب دوران جنگ ایک یہودی مسلمان خواتین پر حملہ آور ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے اس پر زوردار وار کیا جس سے اس کا کام تمام ہو گیا۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا مشہور صحابیہ تھیں۔ انہوں نے غزوہ احد میں جبکہ کفار مکہ نے یہ افواہ پھیلا دی کہ نعوذ باللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے ہیں ایسی انتہائی نازک حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کیا اور شمشیر زنی کا ناقابل فراموش مظاہرہ کیا۔

ان پاکیزہ خواتین کے تذکرے کا مقصد صرف اور صرف یہ ہے کہ آج کی خواتین اِن عظیم ہستیوں کی زندگی کو اپنا آئیڈیل بنائیں، اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کریں، دین کی اشاعت اور ملکی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

☆☆☆☆☆☆☆☆



سب سے بڑا کون؟

پرویز اشرفی

بچوں کی دنیا

مئی کا مہینہ تھا۔ گرمی شباب پر تھی۔ گھر کے تمام لوگ دوپہر میں نیند کا مزہ لے رہے تھے، مگر مصباح کو نیند نہیں آرہی تھی۔ بار بار وہ کمرے سے باہر نکلنا چاہتا تھا لیکن اسے موقع نہیں مل رہا تھا۔ اتنے میں امی کے خراٹے کی آواز سنائی دی تو اسے چین آیا۔ اپنی کتاب لے کر چپکے سے وہ باہر نکلا تاکہ گھر کے سامنے نیم کے سایہ دار درخت کے نیچے مطالعہ کر سکے۔ وہ پنجوں کے بل دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہا تھا۔ کمرے سے نکل کر آنگن میں آیا اور باورچی خانہ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ کچن میں کچھ کھڑکھڑاہٹ سی ہوئی۔ عجیب آوازیں آنے لگیں۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ اس نے ڈرتے ہوئے باورچی خانے کی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ چور تو نہیں داخل ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا لیکن کوئی نہیں تھا۔ اتنے میں سامنے رکھے ہوئے مسالہ دان کا ڈھکن اچھلا اور یہ دیکھ کر مصباح کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سبھی مسالے آپس میں جھگڑ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ میں بڑا ہوں، میں بڑا ہوں۔ مسالوں کو جھگڑتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ مگر وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ان میں کون کس سے اہم ہے۔ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا ہے۔

اتنے میں ہلدی زور سے چلائی۔ میں پیلی پیلی ہلدی ہوں۔ تمھیں پتہ نہیں کہ جب کسی انسان کو چوٹ لگتی ہے تو وہ مجھے جسم پر لگاتے ہیں۔ دودھ میں ملا کر پیتے ہیں تو درد دور کر دیتی ہوں۔ لڑکیوں کی شادی میں دلہن کا ابٹن کرتی ہوں۔ دال ہو یا ساگ سبزی سبھی کا رنگ بدلتی ہوں۔ میں سب سے زیادہ مفید ہوں۔ ابھی ہلدی بی کیوں باتیں بنا رہی ہو میرے بغیر تو چھونک بھی نہیں لگ سکتی، کوئی سبزی ہو یا سالن بغیر میرے کام نہیں چلتا سمجھیں۔ تم سے میں کوئی کم نہیں ہوں۔ ہلدی اور لال مرچ بحث کر رہے تھے کہ ایک کنارے سے دھنیا لڑھکتا ہوا آگیا اور بولا: ”زیادہ تمتماؤ نہیں، مرچی تم سے تو لوگ پناہ مانگتے ہیں۔ اگر کسی نے مزے کے لئے زبان پر ذرا سی رکھ لی تو بیچارہ آنکھوں میں آنسو بھر کر رہ جاتا ہے۔ چھونک لگانے کی بات کرتی ہو۔ تم نے دیکھا نہیں کہ چھونک لگتے سبھی موجود لوگوں کو چھینک آجاتی ہے۔ اپنی اس فطرت پر شرمندہ ہونے کے بجائے اترا رہی ہو؟

مجھے دیکھو مجھ سے سبھی خوش ہوتے ہیں۔ ہر موسم میں لوگ مجھے تلاش کرتے ہیں، جانتی ہو کیوں؟" وہ اس لئے کہ میں سب کے کام بنا دیتا ہوں، ذائقہ بڑھا دیتا ہوں، سبزی اور سالن میں میرے استعمال سے خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ خوشبو کی بات سن کر اچانک سبھی گرم مسالے اچھل پڑے۔ تیزپان، کالی مرچ، لونگ اور الائچی سبھی متحد ہو گئے۔ لگے شور مچانے ہم سب تو خوشبو والے ہیں۔ ہم سے زیادہ دھنیے تم میں خوشبو کہاں؟ بیچارہ اکیلا دھنیا گرم مسالوں کے آگے خاموش ہو گیا۔ مسالے نے سمجھا کہ گرم مسالہ ہی سب سے بڑا ہے۔ وہ اب آگے بڑھنے والا تھا کہ مسالہ دان کے ایک کونے سے رائی نے چھلانگ لگائی اور میدان میں آگئی اور گرم مسالوں سے الجھ گئی۔ بس۔۔۔! صرف اپنی خوشبو پر ناز ہے۔ مجھے دیکھو میں ساگ بھائی اور دال بہن کے ساتھ چھونک لگاتی ہوں۔ اچار ماما کی کئی سال تک حفاظت کرتی ہوں۔ بہت دیر سے ایک جانب زیرہ سبھی کی باتیں سن رہا تھا۔ اس سے نہ رہا گیا۔ اس نے بھی زبان کھولی۔ مجھے ہر کھانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ کھانے کو مزے دار میں بناتا ہوں، ٹھنڈک میں دیتا ہوں۔ دہی بڑے کی تو میں شان ہوں۔ دہی کے مٹھے میرے بغیر بیکار ہیں، اس لئے تم سب سے بڑا میں ہوں۔ یہ جھگڑا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ مصباح کو بھی مسالوں کی لڑائی دیکھ کر مزہ آ رہا تھا۔ بغیر آہٹ کے وہ چپ چاپ کھڑکی سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ زیرہ کے بڑبولے پن کو کھٹائی نے برداشت نہیں کیا وہ اپنی بڑائی کرتی اٹھی اور بولنے لگی ارے جاؤ۔۔۔ ترکاری دال یا ساگ کا مزہ تو میں میں بناتی ہوں۔ بڑے تو بڑے بچے بھی مجھ کھٹائی کو خوب پسند کرتے ہیں۔

سبھی اپنی بڑائی ہانک رہے تھے اور ہینگ چچا کا پیٹ پھول رہا تھا۔ ان سے برداشت نہ ہوا۔ اچانک وہ ڈبے میں سے اچھل کود کر باہر آ دھمکے اور لگے اپنی تعریف آپ کرنے کہ میں لوگوں کے پیٹ کے درد کو دور کرتا ہوں۔ دال میں ذائقہ اور خوشبو بھرتا ہوں۔ یہ بحث چل رہی تھی کہ ایک گرجدار آواز نے سبھی کو چونکا دیا۔ بہت دیر سے تم لوگوں کی فضول باتیں سن رہا ہوں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم سب کے سب چھوٹے ہو۔ بڑا تو وہ رب ہے جس نے تم سب کو اور مجھے بنایا ہے۔ حالانکہ میں سب سے زیادہ اہم ہوں میرے بغیر ذائقہ پھیکا ہے بس تھوڑا سا استعمال ہوتا ہوں اور کھانے میں استعمال ہونے والے سالن، دال اور سبزی کو ذائقہ دار بنا دیتا ہوں۔ نہیں جانتے مجھے میں خدا کی نعمت کا ایک نمونہ "نمک" ہوں۔ تم میں سے کوئی چھوٹا یا بڑا نہیں، رب نے سب کو اس کی خوبیوں سے نوازا ہے۔ اس لئے جھگڑا بند کرو۔ تمہاری آپس کی لڑائی کو دیکھ کر انسان کا ایک بچہ تمہارا مذاق اڑا رہا ہے۔ نمک کی گرجدار آواز سے مصباح کی ممی کی آنکھ کھل گئی۔ وہ مصباح کو آواز دینے لگیں۔ ان کی آواز سن کر سبھی مسالے لڑائی چھوڑ کر آپس سمجھوتہ کر کے دوبارہ اپنے ڈبوں میں جا کر دبک گئے اور مسالہ دان کا ڈھکن اپنے آپ بند ہو گیا۔

مصباح کی ممی باہر آ چکی تھیں۔ کیا کر رہے ہو باورچی خانے کے پاس؟ ممی نے پوچھا: "کچھ نہیں میں تو نیم کے سایہ میں اپنا ہوم ورک کرنے جا رہا ہوں اور وہ تیزی سے اپنی کاپی کتاب لے کر نیم کے سایہ دار درخت کی طرف ہوم ورک مکمل کرنے چلا گیا۔"

محمد معین رضا رضوی، متعلم مدرسہ اہلسنت، ناسک مہاراشٹر

کتابوں کے شیدائی



جہان علم

یہ کالم طلبہ و طالبات کی علمی، ادبی اور فکری صلاحیتوں کو نکھارنے اور اجاگر کرنے کے لیے مخصوص ہے۔ اس میں ان کے منتخب مضامین، مؤثر تاثرات اور فکر انگیز تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔ تمام طلبہ و طالبات سے گزارش ہے کہ اپنے معیاری اور قیمتی مضامین دیے گئے واٹس ایپ نمبر یا ای میل پر ارسال فرمائیں۔ 09661300865 ssasdaque@gmail.com

دنیا میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن سے ہم کو کچھ فائدہ ضرور ملتا ہے اور جن سے ہم کو بہت ساری معلومات حاصل ہوتی ہیں انہی میں سے ایک بہت اہم بلکہ اس کے بنا نہ ہم کچھ جان سکتے ہیں نہ کچھ پہچان سکتے ہیں، میری مراد کتاب ہے ہمارے علم کا پورا دارومدار اسی پر ہے کتاب جو نہ صرف ہمیں علم سے مالامال کرتی ہے بلکہ جب ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے قیمتی لفظوں سے بہت ساری باتیں سکھا دیتی ہے۔

کتابوں کو پڑھنے کے بعد آدمی کم پڑھے لکھے لوگوں کے روبرو ہوتا ہے تو اس کے نور علم سے باقی سب کے قلوب بھی منور و مجلیٰ ہو جاتے ہیں۔ آپ سوچیں ہم اگر اسکولوں کالجوں میں یا اور کوئی تعلیم گاہوں پر جاتے ہیں تو ہمیں وہاں پر اسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے جس کے بغیر جس مقصد سے گئے وہ مقصد پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچتا۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں:

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

اس شعر سے اندازہ ہو رہا ہے کہ انسان جب تک کتاب کی روح تک نہیں پہنچے گا اسے حکمت و علوم کے لعل و گہر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کتاب خوانی اسے کرتے رہنا چاہیے۔

بزرگان دین اور محبت کتاب چند واقعات

امام ابو الفضل عبد الرحمٰن ابن احمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "یہ اوراق یعنی کتابیں میری اولاد کے برابر ہے"۔ امام ابن جوزی علیہ الرحمہ کے پاس دو گھر تھے ایک میں رہائش پذیر تھے اور دوسرا کرایہ پر دیا ہوا تھا پھر آپ نے دونوں کو بیچ کر کتب خرید لیے۔ شیخ احمد قاسم نے

بازار میں کتاب بکتے دیکھی تو اپنے کپڑے بیچ کر کتاب خرید لی، حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے کتابوں کی صندقیں ضائع ہو گئی ہیں جو مجھے اہل اموال سے زیادہ عزیز تھیں۔(1)

کتاب اور علم بہترین میراث ہیں کہ وہ وراثت ہے جس میں تفریق نہیں اور وہ خزانہ ہے جس پر زکوٰۃ واجب نہیں، کوئی حاسد حیلہ سازی کر کے چھین نہیں سکتا کوئی چور چرا نہیں سکتا اور کوئی پڑوسی دعویٰ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی جھگڑ کر کے اپنا حق جتا سکتا ہے۔(2)

جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ سے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ہمارے اسلاف علمائے کرام نے کتابی محبت کو فروغ دینے میں یقیناً قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ ہر زمانے میں بہت ساری کتابیں لکھی گئیں۔ اب تک وہ سلسلہ جاری و ساری ہے ابھی وہ دور نہیں آیا کہ کتاب پڑھنے والے کم ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ ایک کتاب میں درج ہے: "کتاب اپنے پڑھنے والے کو اصحاب علم و فضل کی صف میں شامل کرتی ہے اور اپنے مصنف / مؤلف کو سب پر مقدم رکھتی ہے۔

مطالعہ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ(3)

ترجمہ: کیوں نہیں کہ ان کے ایک گروہ میں سے ایک جماعت نکلے گی دین کی سمجھ حاصل کرے۔

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند مفسر قرآن فیض ملت حضرت علامہ مفتی فیض احمد اویسی رضوی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں: اس آیت میں علم دین کے حصول کی نہ صرف ترغیب و تحریص دلاتی ہے بلکہ اس کے سمجھنے کے لیے بھی ارشاد ہو رہا ہے۔ اور مطالعہ کتب کے بغیر دین کی سمجھ خاک حاصل ہو گی۔ لا محالہ (یقیناً) اس سے کتب بینی کی تحریص و ترغیب بھی ہے۔ سرکار علیہ الصلوۃ و السلام نے ارشاد فرمایا: علم کا ایک باب حاصل کرنا 100 رکعت پڑھنے سے بہتر ہے اور آگے ارشاد فرمایا: علم کا ایک باب حاصل کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔(4)

اسلاف کا ذوق مطالعہ اور کتابوں سے لگن

حضرت محمد عبد اللہ ابن خشاب النحوی کے شاگرد کہتے ہیں: میں اپنے استاد کی عیادت کرنے گیا تو دیکھا کہ کتاب ان کے سینے پر تھی اور وہ مطالعہ میں مگن تھے، ابو العلاء حسن ابن احمد بن سھل المھمزانی نے والد (ان کے والد اپنے وقت کے بہت بڑے تاجر تھے) سے ملنے والی وراثت کو تحصیل علم میں خرچ کر دیا اور بغداد سے خراسان تک سفر میں کتابیں کاندھے پر اٹھائے چلتے تھے۔ آپ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا کہ ایک ایسے شہر میں ہیں جس کی تمام دیواریں کتابوں کی ہیں اور ان کے ارد گرد کتب جمع ہے اور وہ مطالعہ میں مشغول ہیں۔ ن سے پوچھا گیا کہ یہ کتب کیسی ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ہو مجھے مرنے کے بعد اسی کام میں مشغول رکھے جس کام کو دنیا میں کیا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف عطا فرمایا۔(5)

کتاب علم دین حاصل کرنے فائدہ اٹھانے کا بہت نفع بخش ذریعہ ہے۔ کتابیں وہ بہتا ہوا سمندر ہے جس میں انگنت علوم و فنون بہتے نظر آ رہے ہیں۔ جب کوئی صاحب علم کسی مسئلے میں الجھ جاتا ہے تو کتابوں کا ہی رخ کرتا ہے۔ اور کتاب اس کی عقدہ کشائی کرتی ہوئی نظر آتی

ہے۔ جب وہ کتاب کے صفحات کا مطالعہ کرتا ہے تو کتاب اس کا ساتھ دے کر اس کی علمی پیاس بجھاتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے مذکورہ بالا بزرگان دین کے متعلق چند واقعات ملاحظہ کیے۔ آج دنیا میں جدید سہولیات کی وجہ سے کتابیں حاصل کرنا اور مطالعہ میں لانا کوئی مشکل کام نہیں بلکہ اب یہ بہت آسان ہو چکا ہے۔

اہل علم کی شان

لغت میں علم جہالت کی ضد ہے اور اس سے مراد کسی چیز کو اس کی اصل حقیقت پر مکمل طور پر پالینا ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے کسی چیز کو کسی چیز کے سہارے عقل انسانی کو سمجھنے کی قوت عطا کی ہے۔ ویسے ہی علم کو کتاب کے بغیر سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ خالق کل نے اشرف المخلوقات کو جہاں بڑی بڑی عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اسی میں علم اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ علم کے حصول کی اور دیگر صورتیں بھی ہیں۔ لیکن اصل معنوں میں اگر دیکھا جائے تو انسان کو علم حاصل کرنے میں کتابیں ہی اس کا ہتھیار ہوتی ہیں۔

ایک شخص کا واقعہ ہے کہ اس نے کتاب خریدی اس سے کہا گیا آپ نے وہ چیز خریدی جس کا آپ کو علم نہیں ہے۔ اس نے کہا میں نے غیر معلوم چیز اسی لیے خریدی تاکہ میری معلومات میں اضافہ ہو جائے۔ بعض قاضی (جج) قرض کے بدلے کتب خریدتے تھے ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: میں وہ شئی کیوں نہ خریدوں جس کی بدولت مجھے یہ مقام ملا ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ تم اپنے مقام میں ترقی چاہتے ہو تو کہا جتنا بڑا پیشہ ہوتا ہے اس کے لیے اس کے متعلق آلات کی ضرورت بھی اتنی زیادہ پڑتی ہے۔(6)

دیکھا آپ نے کہ اس شخص نے کتاب سے پیار محبت کا پورا حق ادا کیا اور کتاب کی عزت کو دوبالا کیا۔ اس واقعہ سے یہ پتہ چلا کہ علم پیشہ اور کتاب ہتھیار ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہم کو ہمارے اسلاف بزرگان دین علمائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور جیسے ان کو کتاب سے محبت تھی ہم کو بھی کتابوں سے ویسی ہی محبت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، ان کے مطالعہ کے صدقے ہم کو بھی کتاب کا مطالعہ سوچ سمجھ کر کرنے کی قوت بخشے۔ آمین یارب العالمین

سیف ہو اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں کاغذ قلم
دور ہوں تعلیم سے اس قوم کے درد و الم

حوالہ

(1) کتابوں کی عاشق

(2) عاشق الکتب، ص56

(3) سورہ توبہ، آیت 122

(4) تفسیر اویسی

(5) کتابوں کے عاشق

(6) تقیید العلم۔ ص137



نکاح کو مشکل بنانا: معاشرے کی بڑھتی ہوئی غلطی

محمد مصیب الرحمن قادری، متعلم دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی

جہانِ علم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

نکاح اسلام میں ایک مقدس بندھن، پاکیزہ عبادت اور معاشرتی استحکام کی بنیاد ہے۔ شریعت نے اسے نہ صرف آسان قرار دیا بلکہ سادگی اور سہولت کے ساتھ انجام دینے کی ترغیب بھی دی ہے، تاکہ گھرانے آباد ہوں، فتنوں کا دروازہ بند ہو اور نوجوان پاکیزگی کے دائرے میں زندگی گزاریں۔ مگر افسوس! آج ہمارا معاشرہ اسی عبادت کو اتنا مشکل بنا چکا ہے کہ بہت سے نوجوان صحیح وقت پر نکاح بھی نہیں کرسکتے، والدین معاشی دباؤ کے باعث سخت پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور بے شمار لڑکیاں محض رسم و رواج کی پیچیدگیوں کے سبب گھروں میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔

اسلام نے جس نکاح کو آسان کرنے کا حکم دیا، ہم نے اسی کو اپنی جہالت، دکھاوے اور بے جا روایات کے ذریعے ایک بھاری بوجھ بنا دیا ہے۔ یہ رویہ نہ صرف شریعت کے خلاف ہے بلکہ معاشرتی بگاڑ، گناہوں کے پھیلاؤ اور نفس پرستی کے بڑھنے کی ایک بڑی وجہ بھی ہے۔ اس مضمون میں ہم اسی بڑھتی ہوئی سماجی غلطی کا جائزہ لیں گے اور سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ نکاح کو مشکل بنانا فرد، خاندان اور پوری امت کے لیے کس قدر نقصان دہ ثابت ہوتا ہے۔

نکاح کی تعریف

وہ ایسا عقد ہے جو ملک متعہ کے لیے مفید ہو چنانچہ نکاح کے ذریعے مرد کے لیے عورت سے نفع اٹھانا جائز ہو جاتا ہے۔(1)

نکاح کی فرضیت، حکمت اور عظمت — قرآن و احادیث کی روشنی میں

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾(2)

نکاح کرو جو تمہیں خوش آئیں عورتوں سے دو دو اور تین تین اور چار چار۔ اور اگر یہ خوف ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک سے۔

اور فرماتا ہے:

﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾(3)

اپنے یہاں کی بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا۔ اگر وہ محتاج ہوں تو اللہ (عزوجل) اپنے فضل کے سبب انہیں غنی کر دے گا۔ اور اللہ (عزوجل) وسعت والا علم والا اور چاہیے کہ پارسائی کریں وہ کہ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ (عزوجل) اپنے فضل سے انہیں مقدور والا کر دے۔

احادیث مبارکہ

(1)۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَقَدْ رَغِبَ عَنِّيْ(4)

یعنی نکاح میری سنت ہے، تو جس نے میری سنت سے منہ موڑا اس نے مجھ سے روگردانی کی۔

(2)۔ اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ، فَمَنْ اَحَبَّ فِطْرَتِيْ فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِيْ(5)

یعنی نکاح میری سنت ہے، تو جو شخص میری فطرت (اسلام) سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت کو اپنائے۔

(3)۔ تَنَاكَحُوا، تَكْثُرُوا، فَاِنِّيْ اُبَاهِيْ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتّٰى بِالسِّقْطِ(6)

یعنی نکاح کر کے اولاد کی کثرت کرو، کہ میں قیامت کے دن تمہارے سبب دوسری امتوں پر فخر کروں گا، حتیٰ کہ نامکمل پیدا ہونے والے بچے پر بھی۔

(4)۔ فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَاِنَّ مِنْ سُنَّتِيْ اَلنِكَاحُ فَمَنْ اَحَبَّنِيْ فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِيْ (7)

یعنی جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔ اور بے شک نکاح بھی میری سنت ہے، تو جو مجھ سے محبت کرتا ہے اسے چاہیے کہ میری سنت پر عمل کرے۔

(5)۔بخاری و مسلم وابو داود وترمزی ونسائی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا:اے جوانو!تم میں جو کوئی نکاح کی استطاعت رکھتاہے وہ نکاح کرے کہ یہ اجنبی عورت کی طرف نظر کرنے سے نگاہ کو روکنے والا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے اور جس میں نکاح کی استطاعت نہیں وہ روزے رکھے کہ روزہ قاطع شہوت ہے۔(8)

(6). بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، کہ رسول اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ;جو میرے طریقہ کو محبوب رکھے، وہ میری سنت پر چلے اور میری سنت سے نکاح ؛۔(9)

(7)۔بخاری و مسلم وابوداودو ونسائی وابن ماجہ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا؛عورت سے نکاح چار باتوں کی وجہ سے کیاجاتاہے(نکاح میں ان کالحاظ ہوتا ہے)۔

(1) دولت(2) خاندان / حسب نسب(3) خوبصورتی(4) دینداری اور تو دین والی کو ترجیح دے۔(10)

(8).ایک روایت میں ہے ، کہ فرماتے ہیں: ؛جو اتنا مال رکھتاہے کہ نکاح کرلے ، پھر نکاح نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں;۔(11)

(9)۔مروی ہے کہ ایک صحابی ہر وقت پیارے مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے،رات بھر یہیں گزارتے کہ اگر کسی چیز کی حاجت ہو تو پیش کرسکوں۔(ایک مرتبہ)حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:تم نکاح کیوں نہیں کرتے ؟"عرض کی میں فقیر ہوں، میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ نیز اگر نکاح کرلوں تو سعادت سے محروم ہو جاؤں گا۔" آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔(کچھ عرصہ بعد)پھر وہی سوال کیا تو صحابی نے پھر وہی جواب دیا۔ پھر دل میں سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں کہ دنیاو آخرت میں میرے لیے کون سی چیز فائدہ مند ہے اور کون سی چیز مجھے اللہ عزوجل کے قریب کرسکتی ہے،لہٰذا اگر اب کی بار آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے یہی ارشاد فرمایاتو میں ضرور نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ،جب تیسری بار ارشاد فرمایاکہ"تم نکاح کیوں نہیں کرتے ؟"توصحابی رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض:"کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم! میرا نکاح کر دیجئے!" ارشاد فرمایا:"بنی فلاں کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کردو۔"عرض کی:"یارسول اللہ تعالی علیہ وسلم!میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا:"اپنے بھائی کے لیے گٹھی بھر سونا جمع کرو۔" چنانچہ،وہ سونا جمع کرکے انہیں بنی فلاح کی طرف لے گئے اور ان کا نکاح کر دیا۔ مصطفی جان رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا:"ولیمہ کرو!" تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے ان کے ولیمہ کے لیے ایک بکری کے پیسے جمع کیے۔(12)

نکاح کی ترغیب پر مشتمل اقوال بزرگانِ دین

(1) حبر الامہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: ”عبادت گزار کی عبادت اُس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک وہ نکاح نہ کرے۔“ اس قول میں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کو عبادت اور اُس کے لئے تکمیل قرار دیا ہو لیکن ظاہر امر اد یہ ہے کہ عبادت میں کامل مشغولیت اسی صورت میں حاصل ہو گی جب دل غلبہ شہوت کی وجہ سے آنے والے خیالات سے پاک وصاف ہو اور غلبہ شہوت سے خلاصی نکاح ہی سے ممکن ہے یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے جب اپنے غلام عِکرمہ اور کُریب رحمتہ اللہ تعالی علیہما وغیرہ میں بلوغت کے اثار دیکھے تو انہیں جمع کرکے فرمایا: ”اگر تم چاہو تو میں تمہارا نکاح کردوں کیونکہ بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔“(13)

(2) صاحب النعلین والوسادہ حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے: ”اگر میری عمر کے دس دن باقی ہوں تو میں پسند کروں گا کہ نکاح کرلوں تاکہ اللہ عزوجل سے حالت عزب میں نہ ملو(یعنی ایسے حالت میں نہ ملوں کی میری کوئی بیوی نہ ہو)(14)

(3) منقول ہے کہ حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو بیویاں مرض طاعون کی وجہ سے انتقال کر گئیں، آپ خود بھی طاعون میں مبتلا تھے اس کے باوجود آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”میرا نکاح کر دو میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حالتِ عزب میں ملنے کو ناپسند کرتا ہوں۔“(15)

(4) منقول ہے کہ شادی شدہ کو غیر شادی شدہ پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسی جہاد کرنے والے کو گھر بیٹھے رہنے والے پر اور شادی شدہ کی ایک رکعت غیر شادی شدہ کی 70 رکعتوں سے افضل ہے۔(16)

نکاح پر مطالباتِ جہیز: شرعی حکم اور سماجی تباہی

شریعتِ مطہرہ میں لڑکا یا اس کے گھر والوں کا نکاح کرنے کے لیے لڑکی والوں سے گاڑی، قیمتی سامان، سونا چاندی، نقد رقم، یا نوکری وغیرہ کا مطالبہ کرنا ناجائز و حرام ہے؛ اس لیے کہ یہ رشوت کے حکم میں ہے۔

حضور فقیہِ ملت رحمۃُ اللہ علیہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"لڑکا یا اس کے گھر والوں کا شادی کرنے کے لیے نقد روپیہ اور سامانِ جہیز مانگنا، یا موٹر سائیکل اور جیپ و کار وغیرہ کا مطالبہ کرنا حرام و ناجائز ہے، اس لیے کہ وہ رشوت ہے۔ لو أخذ أهلُ المرأة شيئًا عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة كذا في البحر الرائق

یعنی عورت کے گھر والوں نے رخصتی کے وقت کچھ لیا تھا تو شوہر کو اس کے واپس لینے کا شرعاً حق ہے، اس لیے کہ وہ رشوت ہے۔ اور جب لڑکے سے لینا رشوت ہے تو لڑکی سے نکاح پر لینا بدرجۂ اولیٰ رشوت ہے؛ (17)

اور حدیثِ شریف میں ہے: لعن رسولُ اللہ ﷺ الراشي والمرتشي، یعنی رشوت دینے والے اور لینے والے دونوں پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ یہ ترمذی، ابو داؤد اور ابنِ ماجہ کی روایت ہے۔ اور احمد و بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے رشوت لینے والے اور دینے والے کے درمیان واسطہ بننے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے۔ (18)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ حضور سیدِ عالم ﷺ کی لعنت سے بچیں اور اپنی عاقبت خراب نہ کریں، یعنی لڑکی والوں سے نکاح کے عوض کسی چیز کا مطالبہ نہ کریں۔ اور اگر مطالبہ کیا جائے تو لڑکی والوں کے لیے لازم ہے کہ کچھ نہ دیں۔ اگر وہ لوگ نہ مانیں تو ان کے درمیان واسطہ نہ بنیں بلکہ ان کو ذلیل قرار دیں۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب صراحتاً یا اشارۃً مطالبہ کیا جائے۔ اور اگر اپنی خوشی سے دیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اور اگر لڑکی والے دباؤ میں آکر دے دیں تو اس کا لوٹانا ضروری ہے۔ ردالمحتار میں ہے: "الرشوۃ یجب ردھا ولا تملک" (19)

لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس طرح کے مطالبات سے اپنے آپ کو بچائیں اور اپنی آخرت کی فکر کریں۔ آج اسی جبری جہیز کی لعنت کی وجہ سے مسلم معاشرہ تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اگر کوئی زبردستی اس طرح کے مطالبات کرتا ہے تو وہاں کے مسلمان اس کا بائیکاٹ کریں یہاں تک کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائے۔

تاخیر سے شادی کرنے کے نقصانات

نکاح انسانی فطرت کی تکمیل اور معاشرتی پاکیزگی کا نہایت اہم ذریعہ ہے۔ جب اسی ضروری عمل میں بلاوجہ تاخیر کی جاتی ہے تو اس کے کئی سنگین اور دوررس نقصانات سامنے آتے ہیں۔

ذیل میں ان خرابیوں کا جائزہ۔

(1)۔ غیر شرعی تعلقات کا دروازہ کھل جانا

تاخیرِ نکاح کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں غیر مشروع و ناجائز تعلقات میں مبتلا ہونے لگتے ہیں۔ آج کے دور میں مرد و زن کے اس نامناسب اختلاط کو "معاشرت" اور "فریڈم" کا نام دے کر معمولی بنا دیا گیا ہے، حالاں کہ اس کے نتائج نہ صرف روح و جسم کو ہلا دیتے ہیں، بلکہ پورے معاشرے پر انتہائی برا تاثر چھوڑتے ہیں۔ ایسے حالات میں اہلِ خانہ کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور خاندانوں کے درمیان اختلافات و کشمکش جنم لینے لگتی ہے۔

(2)۔ ازدواجی رشتوں کا غیر مستحکم ہو جانا

تاخیر سے ہونے والی شادیوں کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ اکثر ایسے رشتے دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔ عمروں میں غیر معمولی تفاوت، سوچ و فہم میں بے ہم آہنگی اور ضرورت سے زیادہ اختلافات ان رشتوں کو کمزور کر دیتے ہیں۔ اس طرح چند ہی برسوں میں یہ شادیاں دم توڑنے لگتی ہیں۔

(3)۔ مناسب رشتے ملنے میں دشواری

عمر بڑھ جانے کی وجہ سے اکثر افراد کو مناسب اور ہم خیال رشتے دستیاب نہیں ہوتے۔ برسوں انتظار اور بے شمار مالی اخراجات کے باوجود بھی رشتہ تلاش کرنا "جوئے شیریں" لانے کے مترادف بن جاتا ہے۔ نتیجتاً انسان مایوسی و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے اور دل کی دنیا پژمردہ ہونے لگتی ہے۔

(4)۔ ذہنی دباؤ، معاشرتی تناؤ اور خودکشی جیسے افسوس ناک واقعات *

گھر والوں کی ناراضی، رشتوں کی رکاوٹیں، یا اپنی فطری خواہشات کا جائز اظہار نہ کر پانا—یہ سب امور نوجوانوں کو شدید ذہنی دباؤ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ کئی مرتبہ یہی بے چینی، اضطراب اور جنسی خلش خودکشی جیسے ہولناک انجام تک لے جاتی ہے۔ شریف گھرانوں کے نوجوان صرف شرم یا تہذیبی پابندیوں کی وجہ سے اپنی ضرورت نہ بتا پانے کے سبب ذہنی و جسمانی امراض میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

(5)۔ کامل ایمان میں رکاوٹ

تاخیرِ نکاح کا ایک بڑا دینی نقصان یہ بھی ہے کہ انسان اپنی ایمانی تکمیل سے محروم رہ جاتا ہے، کیوں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نکاح کو "نصف ایمان" قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کو دلی سکون، روحانی راحت اور باہمی مودّت کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب تک نکاح نہ ہو، اس وقت تک دل کو حقیقی سکون اور ایمان کو کامل شان حاصل نہیں ہوتی۔

آخر میں یہ حقیقت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ نکاح میں بلاوجہ تاخیر نہ صرف فرد کے لیے نقصان دہ ہے بلکہ خاندان اور معاشرے کے لیے بھی بے شمار خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے مناسب وقت پر نکاح کرنا دینی، سماجی اور اخلاقی ہر لحاظ سے انتہائی ضروری ہے۔

نکاح کو آسان بنانے کی فضیلت

اسلام میں نکاح بڑی اہم اور بابرکت عبادت ہے۔ اس کے ذریعہ نہ صرف انسان گناہوں سے بچتا ہے بلکہ ایک پاکیزہ، مضبوط اور صالح معاشرہ کی تشکیل بھی ہوتی ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے نکاح میں سہولت، سادگی اور آسانی کو اختیار کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور غیر شرعی رسوم و رواج، جہیز اور فضول خرچیاں کو سخت ناپسند فرمایا ہے۔

نکاح میں آسانی سنتِ نبوی

عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا اور مہر تھوڑے سے سونے پر رکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ برکت دے — ولیمہ کرو، چاہے صرف ایک بکری ہی کیوں نہ ہو۔(20)

نکاح پاکیزگی اور حیاء کا ذریعہ

نکاح کے ذریعے انسان اپنی نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔

حدیث شریف: "اے نوجوانو! جو تم میں نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے، کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔"(21)

یعنی نکاح میں آسانی نوجوانوں کے لیے پاکیزگی اور اللہ کی رضا کا سبب ہے۔

اسلام انسان کو نیک مقصد اور پاکیزہ ارادے کے ساتھ جدوجہد کی دعوت دیتا ہے، اور بتاتا ہے کہ جو بندہ اللہ کے لیے قدم بڑھاتا ہے وہ تنہا نہیں رہتا۔ اللہ اس کی مدد فرماتا ہے، اور اسی پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین افراد ایسے ہیں جن کی مدد کرنا اللہ پر حق ہے (یعنی اللہ ضرور ان کی مدد فرماتا ہے)

(1) وہ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے، (2) وہ مکاتب غلام جو آزادی کی قیمت ادا کرنے کا ارادہ رکھے، (3) اور وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی اور عفت چاہتا ہو۔(22)

جو لوگ پاکیزہ طریقہ سے سنت کے مطابق نکاح کریں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرماتا ہے اور رزق میں وسعت عطا کرتا ہے۔

غیر شرعی رسومات کی مذمت

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فضول خرچی کو شیطان کا عمل قرار دیتا ہے: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾۔(23)

کنزل الایمان: "بیشک اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔"

دکھاوا، فضول خرچی، اسٹیج، بینڈ باجا، جہیز اور بے جا رسم و رواج سب اسی کے زمرے میں آتے ہیں — اور نکاح کو مشکل بنا دیتے ہیں۔

نکاح کو مشکل بنانے والی چیزیں

(1)۔ زیادہ جہیز کا مطالبہ کرنا۔ لڑکی والوں سے گاڑی، زیور، سامان اور بڑی بڑی چیزیں مانگنا اور نکاح کو تجارت بنانا۔

(2)۔ بھاری مہر مقرر کرنا (شرعی مطلوب اعتدال کے بجائے بے جا بھاری مہر رکھ کر نکاح میں رکاوٹ پیدا کرنا۔)

(3)۔ فضول رسومات اور دکھاوا بارات۔ دولہا کے استقبال، میرج ہال، فوٹو گرافی، سجاوٹ اور دیگر رسومات پر لاکھوں روپے خرچ کرنا۔

(4)۔ رشتوں میں غیر ضروری اونچ نیچ دیکھنا۔ حسب نسب، ذات پات، قوم، رنگ اور مال و دولت کی بنیاد پر رشتہ رد کرنا۔

(5)۔ تعلیمی و نوکری کی سخت شرائط۔ یہ ڈگری ہو، یہ تنخواہ ہو، ایسا گھر ہو" وغیرہ جیسی پابندیاں لگا دینا۔

(6)۔ سوشل میڈیا اور بے حیائی کا اثر۔ غلط معیارِ خوبصورتی، بڑی بڑی خواہشات اور فلمی لائف اسٹائل کی تقلید۔

(7)۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں رشتوں کو توڑ دینا۔ بات چیت، چھان بین یا معمولی اختلاف پر فیصلہ منسوخ کر دینا۔

نکاح کو مشکل بنانے کے نقصانات

(1)۔ بد نظری اور بدکاری کا پھیلاؤ جنسی خواہشات کا فطری راستہ بند ہونے سے معاشرے میں زنا، تعلقات اور بے حیائی عام ہو جاتی ہے۔

(2)۔ ذہنی دباؤ اور نفسیاتی مسائل۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مایوسی، تنہائی اور ڈپریشن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

(3)۔ دیر سے شادیاں اور خاندانوں کی بربادی۔ عمر زیادہ ہو جانے کے باعث اولاد کے مسائل اور ازدواجی مشکلات میں اضافہ۔

(4)۔ لڑکی والوں پر مالی بوجھ۔ جہیز اور رسومات نے کئی خاندانوں کو مقروض کر دیا ہے، بلکہ بعض والدین بیٹیوں کے باعث پریشان رہتے ہیں۔

(5)۔ سگائی اور نکاح ٹوٹنے کے واقعات میں اضافہ۔ جہیز، مال اور شرائط کی وجہ سے تعلقات ٹوٹ جاتے ہیں اور نفرت جنم لیتی ہے۔

(6)۔ خوشیوں سے زیادہ دکھ اور دشمنی۔ جہاں شادی مقصد کے بجائے نمائش بن جائے، وہاں محبت کے بجائے تکلفات، لڑائیاں اور لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔

(7)۔ سنتِ نبوی ﷺ سے دوری۔ نکاح کو آسان کرنے کے بجائے مشکل بنا دینا سنت کے خلاف اور گناہ کا سبب ہے۔

اسلامی انداز—نکاح، دکھاوے نہیں بلکہ سنت ہے

(1) نکاح آسان رکھا گیا ہے

(2) اسلام میں نکاح عبادت ہے، رسم نہیں۔

اللہ اور رسول ﷺ نے سادگی پسند کی، دکھاوا نہیں۔

(3) کم خرچ—زیادہ برکت۔ جس نکاح میں گھمنڈ اور فضول خرچی نہ ہو، اللہ اس میں اتنی برکت رکھتا ہے کہ دونوں کا گھر جنت کی مانند بن جاتا ہے۔

(3) دلہن جہیز نہیں — امانت ہے۔ بیٹی قیمت پر نہیں دی جاتی، وہ اللہ کی امانت ہے۔ اسے مانگ کر نہیں، عزت سے قبول کیا جاتا ہے۔

(4) مہر محبت ہے — مطالبہ ظلم ہے۔ اسلام نے مرد کو مہر دینے کا حکم دیا، مگر ہم جہیز مانگتے ہیں۔ جہیز محبت نہیں، بے غیرتی ہے۔

(5) نکاح کا مقصد زینت نہیں — سکون ہے۔ ناچ گانا، فوٹو شوٹ اور لائٹنگ اسلام نے فرض نہیں کی۔ لیکن دلوں کو جوڑنا، محبت پھیلانا اور سکون دینا اللہ کا حکم ہے۔

(6) فضول خرچی اللہ کو سخت ناپسند۔ لاکھوں روپے شادی پر لٹا دینا — جبکہ رشتے میں محبت نہ ہو ۔ یہ اسراف ہے اور اسراف شیطان کا راستہ ہے۔

(7) سادہ ولیمہ — مسنون ولیمہ۔ اسلام نے ولیمہ سادگی سے کرنے کی ترغیب دی، مہمانوں کے آگے شان نہ دکھاؤ بلکہ اپنے رب کے آگے شکر کرو۔

(8) دولہا اور دلہن کی عزت۔ شادی تصویروں، جوڑوں اور میک اپ کا تماشا نہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت کی عزت اور تقدس کا آغاز ہے۔

(9) اصل خوشی خاندان والوں کی، نہ دنیا والوں کی۔ لوگوں کو متاثر کرنے کے لیے نہیں۔ اپنے والدین، بچوں اور گھر کو خوش رکھنے کے لیے نکاح کرو۔

(11) نکاح جتنا آسان — زندگی اتنی آسان۔ اسلام نے نکاح آسان رکھا تو گھر جنت بنتے ہیں۔ جب ہم اسے مشکل کرتے ہیں تو گھر جہنم بن جاتے ہیں۔

(12) نکاح ایک مبارک دروازہ ہے — جو سنت، سادگی، حلال کمائی اور محبت سے کھلے تو اللہ اس گھر میں رحمت، سکون اور نسلوں کی کامیابی رکھ دیتا ہے۔

اسلام کی تعلیم

اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ: نکاح کو آسان بنایا جائے۔ دکھاوا اور اسراف سے بچنا چاہیے۔ جہیز مطالبہ کرنا سخت منع ہے۔ سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں خرچ کم ہو۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ معاشرہ پاکیزگی، امن اور محبت سے بھرا ہو تو نکاح کو مشکل نہیں بلکہ آسان بنانا ہو گا۔ فضول رسومات ختم کرنا ہوں گی، جہیز کا مطالبہ چھوڑنا ہو گا، دکھاوے کی بجائے

سادگی کو اپنانا ہو گا۔ نکاح جتنا آسان ہو گا، معاشرہ اتنا زیادہ پاکیزہ، خوشحال اور مضبوط ہو گا۔ یہی دین کی اصل روح اور حضور ﷺ کی سنت ہے۔

حوالہ

(1) مختصر القدوری، کتاب النکاح

(2) پارہ 4، سورۃ النساء، آیت 3

(3) پارہ 18، سورۃ النور، آیت 32، 33

(4) سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ماجاء فی فضل النکاح، ج 2/406

صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، 421/3

(5) مصنف عبد الرزاق، کتاب النکاح، باب وجوب النکاح وفضلہ، 135/6 الحدیث: 10418

(6) مصنف عبد الرزاق، کتاب النکاح، باب وجوب النکاح وفضلہ، 138/6 الحدیث: 10432

(7) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، 421/3۔ الحدیث: 5063

(8) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، 422/3۔ الحدیث: 5066

(9) کنز العمال، کتاب النکاح، الحدیث 4440۔

(10) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین، الحدیث 5090

(11) المصنف، لابن ابی شیبۃ۔ کتاب النکاح، فی التزویج من کان یامر بہ ویحث علیہ، ج 3 ص 270

(12) مسند احمد، حدیث ربیعۃ بن کعب الاسلمی، الحدیث 16577

(13) احیاء العلوم، ج 2 ص 172

(14) احیاء العلوم، ج 2 ص 172

(15) احیاء العلوم، ج 2 ص 172

(16) احیاء العلوم، ج 2 ص 172

(17) فتاوی عالمگیری، ج 1 ص 306

(18) مشکاۃ المصابیح، ص 226

(19) رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب فی الکلام علی الرشوۃ والھدیۃ، ج 8 ص 35

(20) سنن ابن ماجہ، کتاب الولیمہ حدیث: 1907

(21) بخاری شریف: مَن لَم یَستَطِعِ البَاءَۃَ فَلیَصُم 5066 ، / مسلم شریف: 1400

(22) جامع ترمذی، باب ماجاء فی المجاھد والناکح والمکاتب وعونُ اللہ اِیاھم، حدیث: 1655

(23) سورہ بنی اسرائیل، آیت: 27

داڑھی تمام نبیوں کی سنت ہے مومنو!

محمد رمضان رضا قادری، متعلم جامعۃ المدینہ، ممبئی

جہان علم

داڑھی شعائرِ اسلام میں سے ایک عظیم شعار اور مصطفٰی کریم ﷺ کی پیاری سنت ہے، متعدد احادیث مبارکہ میں داڑھی بڑھانے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اللہ پاک نے مَردوں کے چہروں کو داڑھی سے آراستہ فرما کر انہیں عزت و وقار سے سرفراز کیا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ (1)

اور بیشک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی۔ {کنزالایمان}

اس کے تحت تفسیر بغوی میں ہے: و قیل الرجال باللحیٰ، والنساء بالذوائب .(2)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹی سے عزت دی۔

تفسیر قرطبی میں ہے: و قیل أکرم الرجال باللحی والنساء بالذوائب.(3)

ترجمہ: اور کہا گیا ہے کہ مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو چوٹی دے کر مکرم کیا۔

معلوم ہوا کہ داڑھی مرد کے لیے عیب نہیں بلکہ اس کی زینت، وقار اور عزت و تکریم کا باعث ہے۔ یہی وہ سنتِ مبارکہ ہے جس سے مرد کے چہرے پر وجاہت، بشاشت، تازگی اور شادابی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔

اس ضمن میں جب ہم اس ذات بابرکت کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں جسے اللہ پاک نے ہمارے لیے بہترین نمونہ اور آئیڈیل بنایا، اور جس کی اتباع و پیروی کو بخشش و نجات کا ذریعہ قرار دیا ہے، تو بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ پُر انوار بھی داڑھی مبارک سے سجا ہوا تھا، چناں چہ احادیث مبارکہ میں جہاں آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کا ذکر ہے وہاں یہ الفاظ "عظیم اللحیة" یا "کثُّ اللحیة" وارد ہوئے ہیں، جن کا مفہوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی اور خوبصورت تھی۔

اسی طریقے سے داڑھی رکھنا دیگر انبیا، اولیا، صحابہ اور علماے امت کا معمول رہا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خالفوا المشركين، وفّروا اللحى، أحفوا الشوارب"(4)

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی وافر (گھنی) رکھو اور مونچھیں پست کرو۔

اس کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بتغیر الفاظ اسی طرح کی روایات مذکور ہے مثلاً "و أرخوا اللحی، خالفوا المجوس "یعنی داڑھی بڑھنے دو، مجوسیوں کے خلاف کرو۔ وغیرہ

ان احادیث کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا واضح حکم فرمایا اور انہیں مشرکوں اور مجوسیوں کی مشابہت اختیار کرنے، یعنی داڑھی منڈوانے یا کاٹنے سے منع فرمایا۔ پس جو شخص داڑھی نہیں رکھتا، اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس کے طرزِ عمل کو اختیار کیے ہوئے ہے۔

سرکار کا عاشِق بھی کیا داڑھی مُنڈاتا ہے!
کیوں عِشق کا چہرے سے اظہار نہیں ہوتا

داڑھی کا شرعی حکم:

یاد رہے! ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔ جو اس کے ترک پر اصرار کرے یعنی بار بار کاٹے، وہ سخت گناہ گار، موجب غضب جبّار اور مستحق عذاب نار ہے۔ (کتب فقہ)

داڑھی نہ رکھنے کے اسباب و تدارک:

ہمارے معاشرے میں عموماً نوجوان داڑھی رکھنے سے ہچکچاتے، اور نہ رکھنے کے لیے مختلف بہانے بناتے ہیں۔

آیئے! اب ہم ان اسباب پر توجہ کرتے ہیں جن کی بنا پر ہمارے معاشرے کا ایک حصہ چہرے پر داڑھی سجانے سے محروم رہتا ہے، اور ان کا مناسب تدارک بھی جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

خوبصورتی میں رکاوٹ:

بعض نوجوان داڑھی اس لیے نہیں رکھتے کہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ داڑھی رکھنے سے خوبصورتی میں کمی آجاتی ہے۔ میرے پیارے بھائی! داڑھی شعارِ اسلام میں سے ہے، یہ ہمارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظیم سنت اور ہمارے اسلاف کا طریقۂ کار رہی ہے۔ میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں: دنیا میں سب سے زیادہ حسین و جمیل چہرہ کس کا ہے؟ اگر آپ کو تاریخ و سیرت سے ذرا بھی دلچسپی ہے تو یقیناً آپ کا جواب ہوگا کہ کائنات میں سب سے حسین و جمیل چہرہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا ہے۔ اور اس حقیقت سے کسی مسلمان کو ذرّہ برابر شک نہیں ہو سکتا۔

اب ذرا غور کیجیے! اگر داڑھی خوبصورتی میں رکاوٹ ہوتی تو کیا اللہ پاک اپنے محبوب ﷺ کے چہرۂ مبارک کو داڑھی سے مزین فرماتا؟ داڑھی حضور اکرم کے چہرۂ مبارک کی زینت ہے! معلوم ہوا کہ داڑھی تو چہرے کی رونق، وجاہت اور نورانیت میں اضافہ کرتی ہے۔ یقین جانیے! داڑھی رکھنے سے چہرہ مزید باوقار، پُرکشش اور بارونق دکھائی دیتا ہے۔

لوگوں کی تضحیک کا ڈر:

کچھ لوگ اس عظیم سنت سے محض اس لیے بھی محروم رہ جاتے ہیں کہ کہیں لوگ ان کا مذاق نہ اُڑائیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارا معاشرہ اکثر اُن افراد کا مذاق اُڑانے سے پیچھے نہیں ہٹتا جو سنتِ مصطفیٰ ﷺ کے عامل بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالاں کہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو کوئی اس پیاری سنت کی طرف اپنا قدم بڑھائے، اس کی حوصلہ افزائی، تعریف اور پشت پناہی کی جائے، مگر افسوس! معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ دراصل دینی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ ہے۔

میرے پیارے بھائی! کیا تیرا ایمان اتنا کمزور ہے کہ تُو لوگوں کے مذاق کے خوف سے اپنے نبی ﷺ کی اتنی عظیم سنت کو ترک کر دے؟ کیا تجھے ان بے وفا لوگوں کی فکر ہے؟ اور اپنے آقا ﷺ کی سیرت و صورت کا خیال نہیں؟

یاد رکھ! آج جن لوگوں کی تضحیک کے ڈر سے تُو داڑھی جیسی مبارک سنت کو چھوڑ رہا ہے، کل وہی لوگ تجھ پر مٹی ڈال کر اپنے گھروں کی طرف پلٹ جائیں گے، چند دنوں میں لوگ تجھے ایسے بھلا دیں گے جیسے تُو ان کے درمیان کبھی تھا ہی نہیں۔ تو کیا ایسے بے وفا لوگوں کے لیے تُو اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دے گا؟

میرے پیارے! اپنے اُس کریم آقا (ﷺ) کو یاد کر، جنھوں نے تیرے آنے سے صدیوں پہلے تیرے لیے اپنے قیمتی آنسو بہائے، جو قبر میں تجھے مانوس کرنے کے لیے تشریف لائیں گے، جو روزِ قیامت تیری شفاعت فرمائیں گے، جو حوضِ کوثر پر تجھے اپنے دستِ مبارک سے سیراب کریں گے۔ ہاں، یاد کر اُس کریم آقا ﷺ کو! جو اُس دن اپنے رب کے حضور تیری بخشش کے لیے اپنی پیشانی کو جھکائے عرض کریں گے: مولا! "میری اُمت کو بخش دے"

ذرا سوچ! اگر تُو نے داڑھی منڈوانے سے توبہ نہ کی اور اسی حالت میں موت آگئی، تو کیا تُو اس چہرے کے ساتھ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے قابل ہو گا؟ سوچ! اگر تیرے اس چہرے کو دیکھ کر آقا ﷺ ناراض ہو گئے اور اپنا رُخِ انور پھیر لیے، تو تیرا کیا بنے گا؟

خمِ زُلفِ نبی ساجد ہے محرابِ دو اَبرو میں
کہ یارب تو ہی والی ہے سیہ کارانِ اُمّت کا

تنبیہ: یاد رہے! داڑھی کا مذاق اڑانا سخت گناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔

امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"داڑھی کے ساتھ استہزاء (مذاق) بھی ضرور کفر ہے۔" (5)

شادی میں رکاوٹ:

بعض نوجوان یہ سوچ کر بھی اپنے چہروں پر داڑھی سجانے کی ہمت نہیں کرتے کہ اگر داڑھی رکھ لی تو ہمیں رشتے نہیں ملیں گے یا ہماری شادی نہیں ہوگی وغیرہ۔

یاد رکھیں! جو بہترین رشتے داڑھی والوں کو نصیب ہوتے ہیں، وہ اکثر بغیر داڑھی والوں کو نہیں مل پاتے۔ کیوں کہ شریف اور باحیا گھرانوں کی لڑکیاں عموماً داڑھی والے، دین دار اور با اخلاق نوجوان کو ہی پسند کرتی ہیں، جو اُن کی عفت و شرافت کی واضح دلیل ہے۔ والدین اور سرپرست حضرات سے بھی عرض کروں گا کہ جب آپ رشتہ طے کرتے وقت لڑکے میں گونا گوں خوبیاں تلاش کرتے ہیں، وہیں یہ بھی دیکھیں کہ لڑکا سنتِ مصطفیٰ ﷺ پر کتنا عمل کرنے والا ہے۔ اور یاد رکھیں! داڑھی والا مرد جتنا اپنی بیوی کو عزت، محبت اور سکون دے سکتا ہے، بغیر داڑھی والے سے اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے۔

خوشی صرف اچھے کھانے اور عمدہ لباس پہننے کا نام نہیں، بلکہ حسنِ اخلاق، اور عزت و احترام سے پیش آنا ہی اصل خوشی ہے، اور یہ اوصاف عاملینِ سنت اور داڑھی والے میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔

چہرے پر داڑھی سجانے کے بے شمار فوائد و ثمرات ہیں اور نہ سجانے کے نقصانات بھی ہیں ان فوائد میں سے چند درج ذیل ہیں:

دینی و دنیاوی فوائد:

- چہرے پر داڑھی سجانے سے اللہ و رسول کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔
- داڑھی رکھنے سے شعار اسلام اور سنت مصطفیٰ ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی سعادت نصیب ہوتی ہے جو دونوں جہان میں سرخروئی کا ذریعہ ہے۔
- داڑھی والا ہزاروں لوگوں کے درمیان ممتاز ہو جاتا اور پہچان لیا جاتا ہے کہ مصطفیٰ ﷺ کا غلام ہے۔
- داڑھی مرد کے چہرے کی زینت اور منہ کا نور ہے۔ جیسے عورت کے لیے سر کے بال زینت ہیں، اسی طرح مرد کے لیے داڑھی، اگر عورت اپنے سر کے بال منڈا دے تو بری معلوم ہوگی اسی طرح مرد داڑھی منڈانے سے بُرا معلوم ہوتا ہے۔
- داڑھی مرد کو گناہوں سے روکتی اور اطاعت الٰہی کی طرف راغب کرتی ہے۔

نہ رکھنے کے نقصانات:

- اللہ و رسول کے حکم کی صریح نافرمانی ہے۔ جو سیدھا جہنم میں لے جانے والی ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنا ہے جسے اللہ پاک ناپسند فرماتا ہے۔
- معاذ اللہ طریقۂ مصطفیٰ ﷺ سے اعراض اور آپ علیہ السلام کی سنت سے ناپسندیدگی کا عملی اظہار ہے۔
- غیر مومن کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور ان سے مشابہت اختیار کرنے کی مذمت احادیث میں وارد ہوئی ہے۔ چناں چہ نبی پاک ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

"مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ".(6)

یعنی جو کسی دوسری قوم سے مشابہت پیدا کرے، وہ ان میں سے ہے۔

• عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے۔ اور ایسے شخص پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ چناں چہ عبد اللہ ابن عباس سے مروی، فرماتے ہیں" :لعَن رسول اللهﷺ المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال".(7)

ترجمہ: اللہ تعالی کے رسول ﷺ نے لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں، اور ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔

محترم قارئین کرام! اللہ عزوجل نے اپنے حبیب ﷺ کی ذات بابرکت کو ہمارے لیے کامل نمونہ اور آئیڈیل بنایا ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"(8)

ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔(کنزالایمان)

اس آیتِ مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارے رب عزوجل نے ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی پیروی کا حکم فرمایا ہے۔ یقیناً جب ہم دل و جان سے نبی کریم ﷺ کے ارشادات و فرمودات پر عمل پیرا ہوں گے اور آپ ﷺ کے طریقۂ حیات کو اپنائیں گے، تب ہی حقیقی کامیابی و کامرانی ہمارے قدم چومے گی، اور ہمیں دنیا و آخرت میں عزت و سرخروئی نصیب ہو گی۔

طریقِ مصطفٰے کو چھوڑنا ہے وجہِ بربادی
اِسی سے قوم دنیا میں ہوئی بے اقتدار اپنی

حوالہ

(1)الاسراء:70

(2)ج5،ص108،دارطیبہ،

(3)ج10،ص294

(4) صحیح البخاری، کتاب اللباس، حدیث:5892

(5)فتاوٰی رضویہ ج21، ص215، رضافاؤنڈیشن

(6)سنن ابی داؤد حدیث:4031

(7) صحیح البخاری، کتاب اللباس، حدیث:5885

(8)الاحزاب:21



تعلیم کی اہمیت

سید محمد طلحہ، متعلم جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

تعلیم انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ انسان کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و شعور کی روشنی عطا کرتی ہے۔ تعلیم ہی وہ قوت ہے جو انسان کے اندر اچھے اور برے کی تمیز پیدا کرتی ہے اور اسے با اخلاق، مہذب اور باوقار بناتی ہے۔ ایک تعلیم یافتہ انسان نہ صرف اپنی زندگی کو سنوارتا ہے بلکہ پورے معاشرے کی اصلاح اور ترقی میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔

آج دنیا جس تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے، اس کے پیچھے علم و تعلیم ہی کا ہاتھ ہے۔ انسان نے تعلیم کی بدولت زمین سے آسمان تک رسائی حاصل کرلی ہے۔ وہ چاند جسے کبھی لوگ حیرت سے دیکھا کرتے تھے، آج انسان وہاں قدم رکھ چکا ہے۔ نت نئی ایجادات، سائنسی ترقی، جدید ٹیکنالوجی اور دنیا بھر کی سہولتیں علم ہی کی دین ہیں۔

مذہب اسلام نے علم حاصل کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ قرآنِ کریم کی پہلی وحی کا آغاز ہی "اقْرَأْ" سے ہوا، یعنی "پڑھو"۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا": علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں عالم کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔ ایک عالم پوری قوم کی رہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ عالم دین کی عظمت و رفعت کے اظہار کے لیے یہ حدیث کافی ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علمائے حق زمین میں ان ستاروں کی طرح ہیں جن کے ذریعے بحر و بر کے

اندھیروں میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جب ستارے غروب ہو جائیں گے تو یقیناً ان (ستاروں) سے راہنمائی حاصل کرنے والے بھٹک جائیں گے۔ (یعنی علماء حق نہیں ہوں گے تو عوام گمراہ ہو جائیں گے)۔ (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: علم دولت سے بہتر ہے، کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے جبکہ دولت کی حفاظت تمہیں کرنی پڑتی ہے۔"

اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے علم حاصل کیا، اس نے عزت پائی۔

تعلیم کے بے شمار شعبے ہیں۔ کوئی ڈاکٹر بن کر بیماروں کا علاج کرتا ہے، کوئی انجینئر بن کر تعمیر و ترقی میں حصہ لیتا ہے، کوئی استاد بن کر نئی نسل کی تربیت کرتا ہے اور کوئی وکیل یا سائنس دان بن کر ملک و قوم کی خدمت انجام دیتا ہے۔ ہر تعلیم یافتہ فرد اپنے علم کے مطابق معاشرے کی تعمیر میں حصہ ڈالتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کسی بھی قوم کی ترقی، خوش حالی اور بقا کی ضمانت ہے۔ جو قومیں علم سے دور ہو جاتی ہیں وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم خود بھی علم حاصل کریں اور اپنی آنے والی نسلوں کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کریں تاکہ ہمارا معاشرہ ترقی یافتہ، مہذب اور روشن خیال بن سکے۔

علم کی شمع سے روشن ہے زمانے کا وقار
قوم وہی زندہ ہے جس کو ہو علم سے پیار



نعت سید عالم ﷺ

از: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں اختر اشرفی صاحب قبلہ

اللہ رے تیرے در و دیوارِ مدینہ!
سر تابقدم سب ہیں پر انوارِ مدینہ!

دنیا میں ہے تو رحمتِ باری کا وسیلہ
ہر دم یہ سمجھتے ہیں گنہگارِ مدینہ!

ذرے ہیں ترے چرخ کے تابندہ ستارے
فردوس بھی ہے تیری طلبگارِ مدینہ!

سینے پہ ترے نقشِ کفِ پائے نبی ہے
گودوں میں صداقت کے ہیں ابحارِ مدینہ!

فردوس کا منظر نظر آئے اسے پھیکا
اک بار جو دیکھے ترا گلزارِ مدینہ

آغوشِ محبت میں طلب گارِ سکوں ہے
مداح ترا اخترِ ناچارِ مدینہ!

تعزیت

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ

آہ حضرت سید شاہ شرف الدین نیر قادری صاحب رحمہ اللہ

6 ذوالقعدہ 1447ھ بروز جمعہ پیر طریقت حضرت سید شاہ شرف الدین نیر قادری صاحب رحمہ اللہ، سجادہ نشین خانقاہ قادریہ محمدیہ امجھر شریف، ضلع اورنگ آباد، بہار اس دار فانی کو الوداع کہہ کر اپنے مالکِ حقیقی کے جوار رحمت میں پہنچ گئے۔

موصوف حضور سیدنا پاک قدس سرہ کی اولاد میں سے تھے، اور حضور سیدنا پاک سید محمد بغدادی امجھری رضی اللہ عنہ امام الاولیاء سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی اولاد سے ہیں، آپ بحکم مرشد بغداد سے چل کر ہندوستان تشریف لائے اور امجھر شریف (اورنگ آباد، بہار) اپنے ارشاد وہدایت کا مرکز بنایا، آپ کا آستانہ امجھر شریف، اورنگ آباد بہار میں مرجع خلائق ہے، یہ آستانہ ہندوستان میں سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادری جیلانی رضی اللہ عنہ کے فیضان کا مرکز ہے۔

حضرت نیر میاں قادری صاحب رحمہ اللہ اسی مسند رشد وہدایت کے وارث تھے، موصوف صاحب علم وعمل، داعی دین برحق، اور بااخلاق شیخ طریقت تھے، آپ نے اپنی پوری زندگی دین وملت اور مسلک ومشرب کی خدمت میں بسر کی۔ آپ کے دورِ سجادگی میں خانقاہ کے دائرۂ تبلیغ میں نمایاں وسعت پیدا ہوئی۔ آپ علم دوست، علما نواز، بلند اخلاق کے حامل اور تواضع و انکساری کا پیکر تھے۔ یہ اوصافِ حمیدہ آپ کو اپنے اسلاف سے ورثے میں حاصل ہوئے تھے۔ ملک کے طول وعرض میں متعدد مدارس آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں جو آپ کے ذوق دینی اور تعلیمی شعور کی روشن دلیل ہے۔ آپ نے خواتین اسلام کی تعلیم وتربیت کی ضرورت واہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی خانقاہ میں کلیۃ البنات المحمدیہ قائم فرمایا، لاریب اس ادارے کا قیام آپ کی عظیم دینی وتعلیمی خدمات کا زندہ شاہکار اور روشن آئینہ ہے۔ جذبۂ انسانیت نوازی کے تحت آپ نے خانقاہ کے قریب ''دھنوپیا ہاسپیٹل'' کے نام سے ایک ہسپتال بھی قائم فرمایا، جہاں دکھی انسانیت کی خدمت کا مبارک سلسلہ جاری رہا۔

آپ سن 2000ء میں مسندِ سجادگی پر جلوہ افروز ہوئے اور تقریباً چھبیس برس تک سجادۂ قادریہ کے وارث وامین کی حیثیت سے دین اسلام اور سلسلۂ عالیہ قادریہ کی بے لوث، مخلصانہ اور ہمہ جہت خدمات انجام دیتے رہے۔ بلاشبہ آپ کا انتقال خانقاہی دنیا کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غریق رحمت فرمائے اور جمیع پسماندگان وجملہ وابستگان سلسلہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم



بچوں میں دینی شعور بیدار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ انہیں اسلامی معلومات فراہم کی جائیں، دینی واقعات، مذہبی ثقافت اور اسلامی تاریخ سے روشناس کرایا جائے۔ اگر بچے کم عمری ہی سے اسلامی تاریخ، ثقافت اور ادب کے موضوعات پر توجہ دیں گے تو ان کا مستقبل یقیناً پُر نور اور تابناک ہو گا۔

اس کالم میں چند سوالات اور ان کے جوابات شامل ہیں۔ طلبہ و طالبات سے گزارش ہے کہ ہر سوال کو اس کے درست جواب کے ساتھ ملا کر درج ذیل وہاٹس ایپ نمبر پر ارسال کریں۔ آپ کے درست جوابات آئندہ شمارے میں آپ کے نام کے ساتھ شائع کیے جائیں گے۔ (ادارہ)   مدیر کا وہاٹس ایپ نمبر 27838463037+

سوالات	جوابات
سوال 1: عقائد کے امام کتنے ہیں؟۔	114
سوال 2: اس وقت مسائل کے امام کتنے ہیں؟	2
سوال 3: کس نبی نے امت محمدیہ میں پیدا ہونے کی تمنا کی تھی؟	حضرت آدم علیہ السلام
سوال 4: وہ کون سے نبی ہیں جو اپنی زندگی میں قبر انور میں لیٹ گئے اور وہیں ان کی روح قبض ہوئی؟	حضرت ابراہیم
سوال 5: کعبہ مکرمہ کو سب سے پہلے کس نے تعمیر کیا؟	ملائکہ
سوال 6: کون نبی تین سو سال تک روتے رہے؟	حضرت ہارون علیہ السلام
سوال 7: حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ کس نے پڑھی؟	حضرت موسیٰ علیہ السلام
سوال 8: سب سے پہلے کشتی کس نے تیار کی؟	ملائکہ
سوال 9: سب سے پہلے کنگھی کس نے ایجاد کی؟	حضرت نوح علیہ السلام
سوال 10: قرآن مجید میں کتنی سورتیں ہیں؟	4



تشکر و تحسین

ماہنامہ الغوث (اپریل 2026) کے سوال و جواب کارنر میں صحیح جوابات ارسال کرنے والے معزز قارئین کے اسما

ذکیہ حیدر فردوسی

خانقاہ فردوسیہ، جونکا شریف

شمیلہ اختری اصدقی

دھنباد، جھارکھنڈ

آشنا ترنم

محلہ باڑا، سہسرام، روہتاس، بہار

ناصرین پروین

بوکارو، جھارکھنڈ

سوال و جواب کے کارنر میں شرکت کرنے اور جوابات ارسال کرنے پر ہم آپ تمام کے ذوق علم اور شوق مطالعہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالی آپ تمام کو حسنات وبرکات سے مالامال فرمائے اور خیر کثیر سے نوازے۔ آمین

(ادارہ)